شہر جاناں۔

امِ عبّاس۔

مکمل ناول (حقیقی داستان پر مبنی)۔

بِسمِ اللّٰہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیم۔

ہوسپٹل کے اس پرائیویٹ روم کا ماحول ویسا ہی تھا جیسا عموما ہوا کرتا ہے۔ گھمبیر، خنکی بھری خاموشی کی تہہ میں لپٹا ہوا، مگر اسکے لئے یہ سب کچھ نیا نہیں تھا۔ بحیثیت ڈاکٹر وہ اس سب کا عادی تھا مگر پھر بھی آج اسے گھبراہٹ ہو رہی تھی۔

اس کمرے میں موت کا سا سناٹا گونج رہا تھا۔ بیڈ پر نیند اور دواؤں کے زیر اثر سویا وجود اس وقت پر سکون، گہری سانسیں لے رہا تھا مگر اسکی ہر آتی جاتی سانس وہاں موجود دوسرے دو نفوس کے لئے سانس لینا دوبھر کر رہی تھی۔

اسکے ہاتھ پر لگی ڈرپ میں سے قطرہ قطرہ محلول اسکے ساکت و جامد پڑے وجود کی رگوں میں اترتا اسکے زندگی کی طرف واپس لوٹنے کی راہیں سہل کر رہا تھا۔ مگر سوال یہ تھا کیا وہ پہلے کی طرح زندگی کی ڈگر پر اپنے قدم جما سکے گی؟

"پیشنٹ کا مس کیرج ہوا ہے۔ آئندہ کے لئے باڈی کس طرح ری ایکٹ کرتی ہے یہ تو اب انکے ٹھیک ہو جانے کے بعد مکمل چیک اپ سے ہی پتہ چلے گا۔ڈاکٹر براق اس حالت میں اس طرح کا ڈومیسٹک وائیلنس میرے تو سوچ کر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔"

اسکے کانوں میں ڈاکٹر حرا کے الفاظ پگھلے ہوئے سیسے کی طرح اب بھی گونجتے کرب کا باعث بن رہے تھے۔

دروازے کے قریب ہی دیوار کے ساتھ ٹیک لگائے، سفید کوٹ پہنے، دونوں بازو سینے پر لپیٹے اسکا چہرہ گھمبیر سنجیدگی کا عکاس تھا، آنکھوں میں دبا دبا سا غصہ اور بے پناہ تشویش ہلکورے کھا رہی تھی۔

"یہ سب آپ کی وجہ سے ہوا ہے؟ اسکی اس حالت کی ذمہ دار صرف اور صرف آپ ہیں ۔"بیڈ کے قریب رکھی کرسی پر بیٹھے وجود میں اسکے اس الزام پر بھی کوئی جنبش واقع نہیں ہوئی تھی۔وہ ہنوز اسکی بند پلکوں اور زخم ہوئے چہرے کو دیکھ رہی تھیں۔یہاں تک کہ وہ کمرے سے باہر نکل گیا تھا۔پیچھے وہ اسکے ساتھ اکیلی رہ گئیں۔اپنا لرزتا ہاتھ اسکے بیڈ پر بے

جان ہوئے پڑے سر دہاتھ پر رکھاتو آنکھوں سے پانی بہتا چلا گیا۔اپنے خالی ہوئے ماؤف ذہن سے انہوں نے سوچنے کی کوشش کی تھی آیا اس کی اس حالت کی ذمہ دار وہ تھیں؟ان سے کہاں غلطی ہوئی جو اسے اس حال تک لے آئی تھی؟

. . . .

شادی ہال میں رونقیں اپنے عروج پر تھیں،رنگ برنگے زرتار کپڑوں میں ملبوس رنگ و بو میں بسی خواتین کا اک سیلاب سا امڈ آیا تھا۔خوشیوں بھرے قہقہے، سرگوشیاں،اسٹیج پر بیٹھا نئی خوشیوں سے منور نوبیاہتا جوڑا۔سب اپنی جگہ پرفیکٹ تھا۔

وہ قدرے کونے میں رکھے ٹیبل پر بیٹھی تھی۔امل ابھی ابھی اسکے پاس سے اٹھ کر کچھ دوسری ہم عمر رشتے دار لڑکیوں کی طرف گئی تھی۔اسے بھی چلنے کا اصرار کیا مگر وہ رسان سے منع کر گئی تھی۔خلاف معمول امل کے ہی اصرار پر اس نے پینسل ہیل تو پہن لی تھی مگر اب پاؤں دکھنے لگے تھے۔ایک نظر ہال میں ہورہی چہل پہل پر دوڑائی،کچھ فاصلے پر ندرت ساتھ

کھڑی ایک اور خاتوں سے محو گفتگو تھیں۔ گود میں دھرا موبائل اٹھا کر چیک کیا تو ارد گرد سے سنائی دیتی بہت سی آوازوں میں سے اس آواز نے توجہ کھینچی۔

"یہ ہرے رنگ کے کپڑوں والی بچی کون ہے؟ ندرت کو امی بلا رہی تھی۔ جب کہ اسکی تو میرے خیال میں ایک ہی بیٹی ہے اس سے بھی ملی ہوں میں ابھی تھوڑی دیر پہلے۔"

پچھلی میز سے آتی آواز اسکے کانوں میں پڑی تھی۔ بنا مڑے بھی وہ جانتی تھی پیچھے کون بیٹھا ہے کیوں کہ کچھ دیر پہلے ہی ندرت نے اسے اور امل کو ان آنٹی سے ملوایا تھا۔

"آپ کو نہیں پتہ شائستہ باجی؟ ہاں آپ کو پتہ بھی کیسے ہو گا۔ اتنے سالوں بعد تو پاکستان آئی ہیں آپ۔ یہ انمول ہے۔ دس بارہ سال کی تھی جب ندرت نے اسے گود لیا تھا۔ آپ تو جانتی ہیں وہ جوانی میں ہی بیوہ ہو گئی تھی۔ خود کالج میں پڑھاتی تھی تو پیچھے بچوں کی دیکھ بھال کے لیے کسی کی ضرورت تھی۔ سنا تھا اس بچی کو اسکے ماں باپ نے پیسوں کے عوض ندرت کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے سونپ دیا تھا۔ غریب لوگوں کے گھروں میں کام کرنے والے لوگ تھے۔ اتنے سالوں میں کبھی پلٹ کر نہیں دیکھا واپس۔ لیکن آفرین ہے ندرت کو بھی۔ گھر کی نوکرانی کو

بیٹی کا سا مقام دے رکھا ہے۔ پڑھایا لکھایا، اچھی تربیت، اچھے سے اچھا پہنایا کھلایا، کبھی اس میں اور اپنی اولاد میں فرق نہیں کیا۔ اور اب بھی دیکھ لیں رنگ روپ کو چھوڑ دیں تو بھلا لگتا ہے یہ ندرت کی سگی بیٹی نہیں؟"

ساتھ بیٹھی دوسری خاتوں جو کہ ندرت کی دور پار کی رشتے دار تھیں، تفصیلی جواب دیتے انمول کی پشت کو ستائشی نظروں سے دیکھا تھا۔ واقع ہی وہ کمال کی خوش قسمت ثابت ہوئی تھی اس معاملے میں۔

انکی باتیں سنتے ہوئے وہ خود نہیں جانتی تھی اسکے لب دھیرے سے مسکرا رہے ہیں۔

"کہتی تو تم صحیح ہو۔ میں بھی پہلے ندرت کی بیٹی ہی سمجھی تھی مگر پھر اسکا رنگ و روپ، اور نقوش دیکھ کر ذرا الجھن میں پڑ گئی تھی ندرت کے سارے بچے تو ماشاءاللہ گورے چٹے ہیں اندھیرے میں کھڑا کر دو تو بھی پہچانے جاتے ہیں اور نین نقش بھی جیسے اللہ نے کیا خوب صورت بنائے ہیں۔"

تبھی وہاں ایک اور خاتون کے آجانے پر موضوع گفتگو بدل گیا تھا۔انمول نے محظوظ ہوتے ہوئے سر کو ذرا خم دیا تھا۔اسکی سانولی رنگت پر کیا ہلکا پھلکا سا میک اپ کافی بھلا لگ رہا تھا ۔سانولا رنگ، چہرے کے نقش بھی واجبی سے تھے۔اگر خوب صورتی کے اس دنیا کے بنائے پیمانے پر پرکھا جاتا تو وہ بالکل بھی پورا نہیں اترتی تھی۔بہت عام سی نظر آتی تھی۔قدو کاٹھ متناسب تھا۔لیکن اسکی آنکھیں اور بال خوب صورت تھے۔بڑی بڑی سیاہ بادامی شکل کی آنکھیں جو بلاشبہ مقابل کو ایک بار تو اپنی طرف کھینچتی تھیں، سیاہ گھنے، سیدھے بال زیادہ دراز نہیں تھے، بمشکل کمر تک آتے تھے جنہیں ہر وقت وہ چوٹی میں باندھ کر سر پر لئے دوپٹے میں چھپا کر رکھتی تھی۔اس وقت بھی ہلکے ہرے رنگ کے سلور نگوں سے مزین گاؤن میں اس نے سر پر سلور رنگ کا ہری دھاری والا حجاب لے رکھا تھا۔امل کی مہارت اسکے چہرے پر کیے ہلکے سے میک اپ میں خوب جھلک رہی تھی۔اسکی رنگت اور نین نقش کے مطابق سلیقے سے ہوئے اس میک اوور نے اسے اور بھی جاذب نظر بنا دیا تھا۔وہ خوب صورت نہ سہی مگر پیاری ضرور لگ رہی تھی۔

ان آنٹی کی باتیں سن کر بھی اسکے چہرے کے خدوخال میں زرہ بھر تناؤ یا بے چینی نہیں آئی تھی۔اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ انصاری ہاؤس کے سبھی لوگ غیر معمولی خوب صورتی کے حامل تھے، صاف شفاف گوری رنگت اور تیکھے نین نقش پر انہیں تو جیسے اجارہ داری حاصل تھی۔ایسے میں انکے درمیان وہ بہت عام سی نہ ہونے کے باوجود بھی عام سی لگتی تھی۔اسکی سانولی رنگت انکے درمیان کھڑے ہونے سے ممتاز نظر آنے لگتی تھی۔جاذب نظر نین نقش تقابل کے ترازو میں ہلکے ہونے لگتے تھے۔کوئی اور ہوتا تو شاید احساس کمتری کا شدید شکار ہو چکا ہوتا کیوں کہ لوگ تو بنا احساسات کی پرواہ کیے ظاہری آنکھ سے دیکھ کر کہہ دینے کے عادی ہوتے ہیں، پھر چاہے انکی زبان کے تیز دھاری کنکر کسی کے دل کو زخم زخم کریں یا احساس کو مجروح یہ سوچنا بھلا انکا کام ہی کب ہوتا ہے۔

مگر انمول کی خوش قسمتی تھی اسکے ارد گرد موجود لوگوں کی محبت کا حصار اتنا مضبوط تھا کہ باہر سے اس کے رنگ وروپ کو لے کر آنے والا ہر پتھر اس تک پہنچنے سے قاصر تھا۔

وہ پر اعتماد تھی، خود شناس تھی، احساس کمتری جیسا کوئی روگ اسے چھو کر نہیں گزرتا تھا وجہ تھی اس کے قریبی لوگوں کا ہر روز، ہر لمحے اسے یہ احساس دلاتے رہنا، کہ ہاں وہ ان جیسی نہیں تھی، ہاں وہ بہت خوب صورت نہیں تھی مگر وہ اہم تھی، قابل ستائش تھی، محبت کیے جانے کے لائق تھی۔ اسکا باطن اتنا پیارا تھا کہ اس کا ظاہر جگمگا اٹھتا تھا۔ اور اسی جگمگاہٹ نے ندرت حسین انصاری کے گھر آنگن کو منور کر رکھا تھا۔

. . . .

ندرت پڑھی لکھی اچھی وضع دار خاتون تھیں، جوانی میں بیوگی، تین چھوٹے بچوں کا ساتھ، اور گھر کے سبھی اخراجات کا بوجھ انکے شوہر کی اچانک موت کے بعد انکے کندھوں پر آن گرا تھا۔ آبائی زمینوں سے بھی کچھ رقم آجاتی تھی، اس کے ساتھ انہیں خصوصی کوٹے کے تحت شوہر کی جگہ گورنمنٹ کالج میں لیکچرار مقرر کر لیا گیا تھا۔ مالی تنگی نہیں تھی، اصل مسئلہ بچوں کی دیکھ بھال کا تھا۔ براق پھر ذرا سمجھ دار تھا مگر چار سالہ امل اور ڈھائی سالہ برھان انکے لئے فکر مندی کا باعث تھے۔

تبھی ایک جاننے والی نے انہیں انمول کے ماں باپ سے ملوایا تھا۔وہ چھوٹی عمر کے بچوں کے گھر کے کام کاج کے خلاف تھیں، چاہتی تھیں انمول کی ماں انکے بچوں کی دیکھ بھال پر راضی ہو جائے مگر وہ خود ایک بار پھر سے امید سے تھی، پے در پے بچوں کی پیدائش اور مناسب خوراک کا فقدان وہ لاغر و کمزور سی تھی، ایسے میں اس نے منت سماجت کی کہ اسکی بیٹی کو یہ کام سونپ دیا جائے، کچھ شش و پنج کے بعد ندرت رضامند ہو گئیں کہ بہر حال وہ اس بچی کو نہ بھی رکھتیں تو اسکے ماں باپ نے اسے کہیں اور کام کروانا ہی تھا۔

حیرت انگیز طور پر اس دس بارہ سال کی بچی نے نہ صرف انکے بچے بلکہ گھر کے دیگر کام بھی خوش اسلوبی سے سنبھال لئے تھے۔اسکے ماں باپ نے اسکا نام رکھنے کی زحمت بھی نہیں کی تھی اسے منی نام سے پکارا جاتا تھا۔منی رات کو بھی ندرت کے گھر ہی رہتی تھی۔اور یہاں وہ بہت خوش تھی۔کوئی جھڑکتا نہیں تھا، پہلے جس کوٹھی پر اسکی ماں نے اسے چھوڑا تھا اسکی مالکن اسے ڈانٹتی رہتی تھی کبھی کبھار تو ہاتھ بھی اٹھا لیتی تھی۔مگر یہاں ایسا نہیں تھا۔ندرت اس سے بہت نرمی سے پیش آتی تھیں۔اور انکے تینوں بچے بھی اسکے ساتھ اچھا برتاؤ کرتے، ایسے

میں اسکا بھی دل لگ گیا تھا۔وہ ہر کام پوری لگن سے کرتی اور ندرت کی تعریف پر پھولے نہ سماتی۔

اسکے ماں باپ ہر ماہ کی پہلی تاریخوں میں باقاعدگی سے آتے تھے۔اسکی ماہوار وصول کرنے ،اسے ساتھ چلنے کو کہتے،ندرت بھی جب کبھی کالج سے آف ہوتا اسے ماں باپ کے پاس جانے کا کہتی رہتی تھیں مگر وہ بہت کم جایا کرتی تھی،اتنے صاف ستھرے اور اچھے ماحول میں رہنے کے بعد اسکا اس بوسیدہ،خستہ حال،بدبو میں اٹے کچے کے علاقے میں اپنی اس پیوند زدہ گندی میلی جھگی میں جانے کا بالکل جی نہیں چاہتا تھا۔

وقت گزرتا گیا،ندرت نے اسکا شوق دیکھ کر اسے گھر میں کتابیں لادی تھیں،شام کو وہ باقی سب بچوں کے ساتھ انکے پاس پڑھتی بھی تھی۔وہ خوش تھی بہت خوش۔انہی دنوں اسکی ماں نے بیٹے کو جنم دیا تھا۔منی نے حساب لگایا وہ اسکا آٹھواں بھائی تھا،وہ خود سب سے بڑی تھی جس کے بعد اوپر تلے کے آٹھ بہن بھائی اور تھے۔

ندرت نے اسکی ماں کا خیال کرتے اسے چھٹی بھیجا تھا اور وہ چند دن اس نے اپنے ماں باپ کے ساتھ بڑی مشکل سے گزارے تھے۔ وہاں کا گندا ماحول، ریں ریں کرتے گندے مندے، نیم برہنہ بچے اسے اس سب سے اب اکتاہٹ ہونے لگی تھی۔ اسکا جی چاہتا وہ اپنے بہن بھائیوں کو نہلا دھلا کر صاف ستھرے کپڑے پہنائے، بالکل جیسے امل اور برہان پہنا کرتے تھے، اور وہ خود بھی تو اب بہت اچھے کپڑے پہنتی تھی۔ اسکی اپنی تنخواہ اور ابا کے کوڑے کے ڈھیروں پر سے پلاسٹک اور دھاتی اور چمڑے کی پھٹی پرانی چیزیں چننے سے ہونے والی دیہاڑی میں اس جنجال پورے کا دو وقت کا پیٹ بھرنا مشکل تھا کجا کہ اچھا پہننا اوڑھنا۔

جس دن وہ واپس آئی تھی اسے لگا تھا وہ برزخ سے آزاد ہوئی ہو۔ اتنے دن تو جیسے وہ سانس بھی گھٹ گھٹ کر لیتی رہی تھی اب سانسوں کو بھی جیسے آزادی نصیب ہوئی تھی۔ مگر یہ آزادی چند دن کی مہمان ثابت ہوئی، اس دن اسکا باپ سر شام چلا آیا۔ منی کو بھی حیرت ہوئی تھی بھلا کون سا ابھی مہینے کی پہلی تاریخ آئی تھی جو وہ چلا آیا تھا۔ مگر جب اسکی آمد کا پتہ چلا تو وہ بجھ سی گئی۔

اسکے ماں باپ اب کسی دوسرے شہر جانے کا سوچ رہے تھے۔ جس جگہ ڈیرہ لگا ہوا تھا وہاں کے مالک نے انہیں وہاں سے اٹھنے کا حکم صادر کر دیا تھا۔ اور انکا پورا خاندان اب دوسرے شہر ہجرت کرنے کو تھا۔

اسکا باپ تو بتا کر چلا گیا مگر وہ اس دن بہت روئی تھی۔ وہ ایک بار پھر سے اسی ماحول کا حصہ بننے کو تھی، جس سے اسکا دل اوب اوب جاتا تھا۔ ایک سال کا عرصہ اس گھر میں گزار کر جیسے وہ اپنے اصل سے غافل ہو گئی تھی۔

ندرت نے اگلے دن اسکے باپ کو دوبارہ بلایا تھا۔ اور پھر وہ ہوا تھا جو کسی کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا۔ ندرت نے اسکے باپ کی ہتھیلی پر اچھی خاصی رقم رکھی تھی، یہ کہتے ہوئے کہ وہ منی کو ہمیشہ کے لئے انکے پاس چھوڑ کر خود اپنے خاندان سمیت جہاں چاہے جا سکتا ہے۔ مگر وہ چاہے تو اپنی بیوی کے ہمراہ اپنی بیٹی سے ملنے آسکتا ہے۔

اتنی زیادہ رقم تو اسکے باپ نے کبھی خواب میں بھی نہیں دیکھی تھی۔ منی کا کیا تھا وہ بارہ سال کی تھی، ایک آدھ سال میں وہ اسکی شادی کر دیتا پھر وہ اپنے شوہر بچوں والی ہو جاتی تو کون سا

اسے کما کر دیتی۔ اور یہاں پر وہ خوش تھی، سکون سے تھی، آسائش بھری زندگی بسر کر رہی تھی، ندرت کی نیک نیتی پر اسے ذرا برابر شک نہیں تھا، اسکے بچوں میں کوئی تو سکون سے رہتا ،ویسے بھی وہ لوگ اپنے بچے غربت کے باعث چند ہزار کی عوض فروخت کر دیا کرتے تھے ۔ یہاں تو پھر اک خطیر رقم مل رہی تھی۔ وہ اپنا کوئی چھوٹا موٹا کام دھندا شروع کر سکتا تھا۔

وہ آخری بار اپنے ماں باپ اور بہن بھائیوں سے تب ہی ملی تھی، وہ چلے گئے مگر اسے کوئی دکھ نہیں ہوا تھا۔ بلکہ وہ خوش تھی اب وہ ہمیشہ یہی رہنے والی تھی۔

ندرت نے اسکا نام انمول رکھا تھا، اسکے بی فارم پر تاریخ پیدائش بھی وہی لکھوائی گئی تھی جس دن انہوں نے اسے گود لیا تھا۔ اس طرح وہ انصاری ہاؤس کی مکین بن گئی، وقت گزرتا گیا ،اس نے پرائیویٹ اپنی تعلیم جاری رکھی۔ اسکے ماں باپ نے پلٹ کر کبھی نہیں دیکھا تھا۔ اور یوں وہ اسی خاندان کی ہو کر رہ گئی۔

. . . .

اگلی صبح اس گھر کے آنگن میں زرا دیر سے طلوع ہوئی تھی۔ جس کی دو وجوہات تھیں۔ ایک تو عام تعطیل، دوسرا وہ سب رات کو دیر سے فنکشن سے لوٹے تھے۔ ندرت کی کزن کے بیٹے کا ولیمہ تھا وہ سبھی گئے تھے واپسی پر نہ نہ کرتے بھی رات کا ایک بج گیا تھا۔ اور اب پورے گھر میں صبح کے نو بج جانے کے باوجود سناٹا پھیلا ہوا تھا۔ عام طور پر ندرت اس معاملے میں بڑی سخت گیر واقع ہوئی تھیں۔ وہ صبح جلدی اٹھنے کی قائل تھیں اور انکے بچے بھی چاروناچار صبح صبح اٹھ جایا کرتے تھے ورنہ انمول انہیں جگانا خوب جانتی تھی۔ مگر آج انہوں نے بھی ابھی تک چپ سادھ رکھی تھی۔

انمول اپنی عادت سے مجبور اپنے وقت پر اٹھ گئی تھی۔ نماز فجر اسے شروع سے ندرت کے کمرے میں جا کر پڑھنے کی عادت تھی۔ اور وہ جب جاتی تھی تو ندرت اسکی پہلے سے ہی منتظر ہوتی تھیں۔ ان دونوں کا رشتہ بھی بڑا انوکھا سا تھا۔ وہ ماں بیٹی نہیں تھیں مگر شاید اس سے بڑھ کر تھیں۔ وہ دو لوگ بیک وقت ایک دوسرے کے احسان مند تھے۔ ندرت انمول کی شکر

گزار اور قدر دان تھیں۔اس نے بہت چھوٹی سی عمر میں انکے کندھوں سے بہت سارا بوجھ اتار کر اپنے ناتواں کندھوں پر لاد لیا تھا۔

دوسری طرف انمول تھی جس کی یہ خوب صورت زندگی ہی ندرت کی عطا کردہ تھی۔ورنہ وہ بھی شاید اپنی ماں کی طرح کی زندگی بسر کر رہی ہوتی،اکثر وہ اپنے ماں باپ اور بہن بھائیوں کے بارے میں سوچتی تھی تو جی اداس ہونے لگتا تھا۔کاش اس دنیا میں سب کو جینے کے بنیادی ایک سے مواقع ملتے تو دنیا جنت ہوتی۔

ناشتہ اس نے اور ندرت نے ایک ساتھ کیا تھا،اسکے بعد گھر کے کام نمٹا کر باقی سب کے لئے ناشتہ بنایا تھا،اور اب اگلا مرحلہ ان فرعون کی ممیوں سے شرط لگا کر سوئے ہوئے ان تین لوگوں کو جگانے کا تھا۔

اپنے اور امل کے مشترکہ کمرے میں قدم رکھتے اسے قدرے سکون ملا تھا،امل بستر پر ہی سہی مگر جاگی ہوئی تھی،آلتی پالتی مارے کھلے بالوں کے ہالے میں سویا جاگا چہرہ لئے وہ آنکھیں مسل رہی تھی۔

"شکر ہے کوئی تو خود سے جاگا ہوا ہے۔ چلو جلدی کرو اب۔ ناشتہ ٹھنڈا ہو رہا ہے۔" وہیں دروازے سے اپنی کہہ کر وہ واپس مڑ گئی تھی۔

برہان کے کمرے میں جھانکتے اسے سخت کوفت ہوئی تھی۔ دو ماہ پہلے وہ اٹھارہ سال کا ہو چکا تھا مگر صرف قد کاٹھ کے لحاظ سے، انمول کو وہ اب بھی آٹھ سال کا بچہ ہی لگتا تھا جسے چیزیں پھیلانے اور بے ترتیبی سے خاص الخاص انس تھا۔

تکیے میں منہ گھسیڑے وہ خواب خرگوش کے مزے لے رہا تھا۔ آگے ہو کر اسکے سر پر کھڑے ہوتے انمول نے اسکے بازو میں دبکا تکیہ کھینچا تھا۔

"برہان۔۔۔ اٹھ جاؤ اب، ساڑھے دس ہو رہے ہیں۔"

اسے اٹھانا سب سے مشکل کام ہوا کرتا تھا۔ اب بھی وہ ٹس سے مس نہ ہوا تھا۔

برہان تم اٹھ رہے ہو یا میں امی کو بلاؤں؟" اسکا کندھا جھنجھوڑ کر کہا تو ہمیشہ کی طرح یہ دھمکی کارآمد ثابت ہوئی تھی۔

سر تکیے سے باہر نکال کر برا برا منہ بناتے اس نے مندی مندی آنکھیں کھول اسے دیکھا۔

"کیا ہے آپی۔ تھوڑی دیر اور سونے دو یار۔ رات کو کتنا لیٹ واپس آئے تھے۔ ابھی تک تھکاوٹ نہیں اتری۔ آپ کو نہ تو خود سکون ہے نہ کسی اور کو سکون سے سو یا دیکھ سکتی ہیں۔" نیند میں ڈوبی آواز میں اکتاہٹ تھی۔

"ہاں جی بالکل۔ میں نے ہی کہا تھا وہاں ڈانس فلور پر اتھرے بیل کی طرح مست مگن دھمالیں پاؤ۔ میں گارنٹی سے کہتی ہوں وہاں کھڑے پڑے ہونے تمہاری صائمہ اور شان سے متاثر کن نچ پنجاپن نچ پر کی گئی ڈانس پر۔ اب شرافت سے اٹھ جاؤ۔ ورنہ امی خود آئیں گی تمہیں اٹھانے اب۔"

اسکے کمرے میں بکھری چیزوں کو اٹھاتے وہ ساتھ ساتھ بول بھی رہی تھی۔ ناچار وہ جمائی روکتا بند آنکھوں کے ساتھ ہی بیٹھ گیا تھا۔

"اٹھ جاؤ اب۔"

کمرے سے نکلتے مڑ کر دیکھا وہ دوبارہ لیٹنے کی تیاری میں تھا۔اسکی چینخ نما چنگھاڑ پر بدک کر دوبارہ بیٹھا۔

"اٹھ تو گیا ہوں، کیا اب دنیا سے اٹھ جاؤں؟"

بمشکل آنکھیں کھول کر دروازے میں کھڑی انمول کو دیکھا تھا۔

"اٹھے نہیں ہو۔ابھی بھی بستر میں پڑے ہو۔دس منٹ میں تم اگر مجھے ناشتے کی میز پر نہ ملے تو میں قسم اٹھا کر کہتی ہوں تمہیں ناشتہ تو کیا ایک کپ چائے کا نہیں ملنے والا۔پھر بیمار چوزے کی طرح جھولتے رہنا پورا دن یہاں وہاں، اور امی سے جو عزت افزائی ہوگی وہ الگ۔"

مسکرا کر اسے دیکھتے اس نے نقشہ کھینچا تھا۔برہان برے برے منہ بناتا اٹھ کھڑا ہوا۔

"پوری جلاد ہیں آپی آپ۔"

منہ ہی منہ میں بدبداتے وہ واش روم کی طرف بڑھا۔

"تعریف کا شکریہ۔"

ابھی وہ اسکے کمرے کے دروازے سے چند قدم کی دوری پر تھی جب وہ خود ہی باہر نکل آیا تھا

۔

خوشبوؤں میں بسا، نکھرا نکھرا سا اسے دیکھ کر چہرے کے زاویے بدلے تھے۔

"کوئی فائدہ نہیں ہوا خود سے اٹھنے کا۔ دیکھنا سب سے پہلے پھر بھی تمہارا چہرہ ہی نصیب ہوا ہے مجھے۔" تاسف سے سر ہلاتے بہانگ دہل اظہار خیال کیا گیا تھا۔ انمول کو تیوری چڑھی تھی۔

"تو کس نے کہا ہے میرا چہرہ دیکھنے کو؟ لے آؤ نا کوئی حور پری جو صبح تمہیں بڑی چاہ سے جگائے اور تم اسی کا حسین مکھڑا دیکھ کر اپنی یہ الو جیسی آنکھیں کھولو۔" لگی لپٹی رکھنے کی قائل تو وہ بھی اس کے معاملے میں نہیں تھی۔

"ہونہہ حور پری اپنے نصیب میں کہاں۔ یہاں تو یہی شکل دیکھنے کو لکھی ہے۔"

چل کر اسکے سامنے آن کھڑا ہوا۔ مسکراتی نظروں سے اسکا تپا تپا سانولا چہرہ دیکھا تھا۔

"ویسے یہ شاعر حضرات بھی عجیب لوگ ہوتے ہیں۔یہ دیوان لکھ رکھے ہیں سانولے سلونے رنگ وروپ پر۔ تمہیں دیکھ کر تو مجھے سب بے پر کی باتیں لگتی ہیں۔"

وہ صبح صبح اسے چڑا رہا تھا۔نیند پوری ہو چکی تھی،طبیعت فریش تھی تو بھلا اسکی جان جلائے بنا چین کہاں پڑنا تھا۔اسکی کہی باتوں کو انمول کبھی بھی دل پر نہیں لیتی تھی وہ جانتی تھی وہ صرف اسے چڑانے کو ایسا کہتا تھا۔ورنہ اس گھر کا ہر مکین اس سے بے لوث محبت کرتا تھا۔یہ انکی محبت ،قدر،مان اور عزت ہی تھی جو اسکی شخصیت میں اعتماد کی صورت نظر آتی تھی۔پر اعتماد،خود شناس اور خود سے محبت کرنے والی انمول ان محبتوں کی مرہون منت ہی تو تھی۔

"بس ہو گے شروع؟کرلی بکواس یا کچھ رہتا ہے ابھی۔میری قدر تو بچو تمہیں تب ہو گی جب میں یہاں سے چلی جاؤں گی پھر یاد کیا کرو گے بلکہ خود بیٹھ کر دیوان لکھو گے تم لکھوالو مجھ سے ۔"

مسکرا کر دونوں بازو سینے پر لپیٹتے وہ گردن اکڑا کر کہتی کوئی چیز ہی لگ رہی تھی۔براق کے ہونٹوں میں دبا تبسم گہرا ہوا۔

"خوش فہمیاں چیک کرے کوئی ذرا محترمہ کی۔" استہزائیہ انداز میں سر کو جھٹکا پھر آنکھیں چھوٹی کر کے اسے دیکھا۔

"ویسے تم جا کہاں رہی ہو؟" اچنبھے سے پوچھا تھا۔

"ظاہر ہے تم بھی تو حور پری لاؤ گے اپنے لیے تو میں بھی تو پیا دیس سدھاروں گی ہی۔" کمال بے نیازی سے کہتے وہ مڑتی چل پڑی تھی۔ براق اس کے ہم قدم تھا۔

"اوہ ہیلو! تمہیں کون بیاہنے آئے گا؟ کوئی عقل کا اندھا ہی ہو گا جو تمہیں رخصت کرا کر لے کر جائے گا۔"

وہ چمک کر اسے جواب دینے کو تھی جب ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھیں ندرت بول اٹھی تھیں۔

"کیوں عقل کا اندھا کیوں ہو گا۔ بڑا خوش قسمت ہو گا جو میری انمول اسکے نصیب سے جڑے گی۔" انکی آواز میں بیٹے کے لئے ناگواریت تھی۔ انہیں براق کی انمول کے رنگ وروپ کو لے کر کی جانے والی چھیڑ چھاڑ ایک آنکھ نہیں بھاتی تھی۔

انمول نے منہ لٹکا کر ندرت کے ساتھ بیٹھتے براق کو جتاتی نظروں سے دیکھا، پھر کچن میں گم ہو گئی۔

"میں مذاق کر رہا تھا ماما۔" کچھ خجل سا ہوتا وہ بولا۔

"بے وقت کا مذاق بھی اچھا نہیں ہوتا۔ تم تو بس بھینسے کی طرح ناک سے دھواں نکالتے اسکے پیچھے ہی پڑ جاتے ہو۔ یہ تو شکر ہے وہ کبھی محسوس نہیں کرتی ورنہ کتنا برا اثر پڑے تمہاری ان مذاق مذاق میں کی جانے والی باتوں کا اسکی شخصیت پر۔"

انہوں نے بھی صبح صبح اسے جھاڑ پلا دی تھی۔ وہ ایسی ہی تھیں۔ اولاد کے لئے محبت کرنے والی مگر قدرے سخت گیر ماں۔ شاید اسکی وجہ یہ بھی تھی کہ انکے بچوں کے سر پر باپ کا سایا نہیں تھا اور انہیں دونوں رول ادا کرنے پڑتے تھے۔

"ماما وہ بھی جانتی ہے میں بس ایسے ہی کہتا ہوں اسے تنگ کرنے کے لئے۔"

"بس بہت تنگ کر لیا تم نے اسے۔ اب عادت بدلو۔ کل کو اسکے شوہر اور سسرالیوں کے سامنے بھی یوں کرو گے تو کیا سوچیں گے وہ لوگ۔"

براق نے انکی بات پر کچن سے ناشتے کے لوازمات لاتی انمول کو تعجب سے دیکھا تھا جو بھنوؤں کو اٹھا کر اسے انکی بات پر عمل کرنے کا اشارہ کر رہی تھی۔ پھر نا سمجھی سے ماں کو دیکھا۔

"میں نے ایک دو جگہ انمول کے رشتے کی بات چلائی ہے۔ انشاء اللہ، اللہ کی طرف سے خیر ہوئی تو انمول اور تمہارے فرض سے اس سال سبکدوش ہونا چاہتی ہوں میں۔"

"اتنی جلدی کیا ہے آپ کو ماما؟" چھوٹتے ہی اسکے منہ سے نکلا تھا۔

اپنے لئے چائے بناتے ندرت نے ذرا بھر نظر اٹھا کر بیٹے کو دیکھا تھا۔

"یہ جلدی ہے؟ پچیس کا ہندسہ تم عبور کر چکے ہو ستائیں کی خیر سے انمول ہونے کو ہے۔ یہی وقت ہوتا ہے بیٹا شادی کا۔"

"ہیں انمول آپی کی شادی؟" ایک ساتھ ڈائینگ ہال میں داخل ہوتے برہان اور امل نے بیک وقت چینخ نما آواز میں کہا تو جہاں ندرت اور براق چونکے وہیں کچن سے جوس کا جگ اٹھا کر لاتی انمول بھی گڑبڑا کر رہ گئی۔

"کیا ہو گیا ہے تم دونوں کو؟ اس میں یوں چینخنے والی کیا بات ہے۔ انمول کی شادی نہیں ہو سکتی کیا؟"

ندرت نے باری باری دونوں کو سخت نظروں سے گھورا تو وہ شرافت کے جامے میں آتے اپنی اپنی کرسی کھینچ کر بیٹھ گئے تھے۔

"آپی کی شادی کے بعد اس گھر کا تو اللہ ہی حافظ ہے۔"

ٹوسٹ اٹھاتے امل نے اظہار رائے کیا تھا۔ برہان نے زور و شور سے سر ہلاتے تائید کی تھی۔

"تو اب اس گھر کے لئے میں اسے بٹھائے رکھوں گی کیا؟ اسی لئے کہتی ہوں تم بھی اب ذرا گھر داری میں حصہ لیا کرو۔ انمول نے بہت سال یہ گھر سنبھال لیا اب اسکی زندگی تو تم لوگوں کی آسائش و آرام کے لئے برباد نہیں کر سکتی نا میں۔"

ندرت کے کہنے پر وہ جزبز ہوتی انمول کی طرف مدد طلب نظروں سے دیکھنے لگی تھی۔

"یہ کب کہا میں نے ماما۔ میں تو بس یہ کہہ رہی تھی ہمیں، اس گھر کو آپی کی اتنی عادت ہے کہ یہ کچھ دیر گھر نہ ہوں تو گھر گھر نہیں لگتا۔" محبت بھری نظروں سے ساتھ بیٹھتی انمول کو دیکھتے وہ مسکرائی تھی۔ براق اب بھی سنجیدہ سا خاموش بیٹھا تھا۔ ناشتے کی کسی چیز کو چھوا تک نہیں تھا۔

اسی لئے تو کہتی ہوں میری انمول جس گھر بھی جائے گی اسے جنت بنادے گی۔" ندرت نے بر ملا کہتے چائے کا سپ لیا تھا۔ انمول مسکرادی۔ ایک وہی تھی جس کی وہ یوں کھلے عام تعریف کیا کرتی تھیں۔

"ویسے آپی کی شادی سے ایک فائدہ ہو گا۔ میری نیند تو کم از کم پوری ہو گی یہ تو پکی دشمن ہیں میرے سونے کی۔" پراٹھا کھاتے برہان نے منہ کھولا تھا مگر ندرت کی خشمگیں نظروں نے احساس دلایا تھا غلط وقت پر کھولا تھا۔

"انمول بیاہ کر جارہی ہے بیٹا۔ مت بھولو کہ اگلے ماہ تمہاری ماں ریٹائر ہو رہی ہے۔ تمہاری نیندیں تو میں کھولوں گی۔ پتہ نہیں کیا ہو گیا ہے آج کل کے بچوں کو۔ آدھی رات تک تو موبائل سکرین آنکھوں کے سامنے کھلی رہتی ہے پھر نیندیں کہاں سے پوری ہوں اور صبح وقت پر آنکھ کیسے کھلے۔"

انکے ملامت بھرے لہجے میں کہنے پر مزید لب کشائی کرنے کی کسی کی ہمت نہیں ہوئی تھی ۔امل اور برہان دونوں اپنی اپنی پلیٹ پر جھک چکے تھے۔ ندرت اور انمول چونکہ ناشتہ کر چکی تھیں تو دونوں ہی اب صرف چائے پر اکتفا کر رہی تھیں۔ ایک وہی تھا جو ابھی بھی کسی گہری سوچ میں ڈوبا یوں ہی بیٹھا تھا۔ انمول نے کچھ حیرت اور نا سمجھی بھرے تاثرات لئے اسکی طرف دیکھا تھا تبھی براق کی نگاہ بھی اسکی جانب اٹھی تھی۔ آنکھ کے اشارے سے انمول نے

اس سے اس درجہ خاموشی کی وجہ جاننی چاہی تھی۔وہ نظریں چرا کر نظر انداز کر گیا تو وہ خفیف سی اسے گھور کر رہ گئی۔

"براق ناشتہ شروع کرو بیٹا۔" ندرت نے اسے ٹوکا تو وہ غائب دماغی سے سر ہلاتا جوس کی جانب ہاتھ بڑھا گیا۔

. . . .

"بگ برو! میں آجاؤں کیا؟" کمرے میں داخل ہونے کے بعد وہ بتیسی دکھاتا بولا تو اسٹڈی ٹیبل پر سامنے موٹی سی میڈیکل کی کتاب کھولے، سر جھکائے بیٹھے براق نے بھائی کو ایک بھرپور نگاہ سے دیکھا تھا۔

"تم آچکے ہو برہان۔"

دوبارہ نظر کتاب پر جماتے، اس نے اسے شرمندہ کرنے کی کوشش ناکام کی تھی۔

مقابل ڈھٹائی سے ہنستا خرگوش کی مانند پھدکتا بیڈ تک آیا تھا اور دھڑام سے بستر پر گرا تھا۔

"انسان بنو۔"براق نے سر اٹھا کر تنبیہ کی تھی۔

"جنت میں آگیا میں تو۔"ایک ٹھنڈی سانس بھرتے وہ اسکی بات کو سرے نظر انداز کر گیا تھا

۔

"کیا مطلب؟"کتاب بند کرتے اس نے ایک ابرو اٹھا کر اسے اچنبھے سے دیکھا تھا۔

"میرے روم کا اے سی خراب ہے۔قسم سے گرمی سے جان عذاب ہو رہی تھی۔"

کروٹ کے بل لیٹتا کہنی بستر پر جمائے وہ ہاتھ پر سر رکھے اونچا سر کیے بھائی کو دیکھتا بولا۔براق نے آنکھیں سکیڑ کر اسے گھورا۔

"سوچنا بھی مت۔"اگلے ہی پل وہ دانت چبا کر چینخا۔

برہان کا منہ لٹکا۔

"بگ برو۔"

"بالکل نہیں۔"

اس نے ہاتھ کھڑا کرتے اسے وہیں روک دیا تھا۔

"میں تمہیں قطعی طور اپنے روم میں سونے کی اجازت نہیں دوں گا۔ سوتے ہوئے گدھے کی مانند لاتیں مارتے ہو تم۔"

"بھائی یار میں نیچے میٹرس بچھالوں گا۔ کل پکا سب سے پہلے اے سی ٹھیک کرواؤں گا بس آج رات سونے دو یار۔"

مسکین صورت بنائی گئی تھی۔ براق نے سر کو نفی میں زور زور سے جنبش دی۔

"اور وہ جو سوتے ہوئے تمہیں شہر بسانے کی عادت ہے اتنے زور زور سے بولتے ہو تم نیند میں جیسے کرکٹ اسٹیڈیم میں کمنٹیٹری کر رہے ہو۔ میری نیند تو ذرا سی آواز پر کھل جاتی ہے۔"

براق نے نیا اعتراض کیا تھا۔ اور اب برہان بھی ذرا فارم میں آیا تھا۔ منت سماجت سے بات بنتی دکھائی نہ دیتی تھی۔

"کتنے احسان فراموش ہیں بگ برو آپ۔ یاد کریں جب آپ کے اس کمرے کی رینوویشن چل رہی تھی تو وہ میں ہی تھا۔" اٹھ کر کھڑے ہوتے اس نے جذباتی انداز میں سینے پر ہاتھ مارا۔

"جس نے آپ کو مہاجر جان کر اپنے بیڈ روم میں پناہ دی تھی۔ ایک اچھے میزبان کی طرح خندہ پیشانی سے آپ کو اپنا بستر پیش کرتے خود ایک ہفتہ نیچے میٹرس پر سوتا رہا۔ آپ کو کوئی تکلیف نہیں ہونے دی۔ اور آج جب آپ کے بھائی پر ذرا سا برا وقت آن پڑا ہے تو یوں آنکھیں ماتھے پر رکھ لیں آپ نے۔"

اسکی پرفارمنس جاری تھی، چہرے پر دنیا جہاں کا درد آٹھہرا تھا۔ براق انگشت شہادت گال کے نیچے رکھے کہنی ٹیبل پر جمائے محظوظ نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ اگر اپنے کالج کے تھیٹر شو میں ہر بار فرسٹ پرائز لیتا تھا تو بجا لیتا تھا۔

ویری نائیس ینگر برو۔ ایکٹنگ میں تم بے مثال ہو مگر یہ چورن یہاں نہیں بکنے والا۔ اس لئے جاؤ اور ماما کے کمرے میں پناہ اختیار کرو۔"

تالی بجا کر داد دیتے وہ اسکے اترے چہرے پر سے نظر ہٹاتا دوبارہ کتاب کھولنے کو تھا۔

برہان نے اسے ہنوز اڑا دیکھ کر منہ بسورا تھا۔

"مشورے کا شکریہ۔ میں امل اور انمول آپی کے روم میں میٹرس بچھالوں گی۔ کسی نے صحیح کہا ہے بہنیں ہی ہوتی ہیں جن کے دل موم کے ہوتے ہیں۔ بھائی تو ہوتے ہی سنگ دل ہیں۔ ایویں اتنا ٹائم برباد کیا اپنا۔" سر جھٹک کر جاتے ہوئے وہ اسے سنانا نہیں بھولا تھا۔ براق کے کان کھڑے ہوئے۔ اسے شدت سے کچھ یاد آیا تھا۔

"رکو۔ تم وہاں نہیں سوسکتے۔" وہ تیز آواز میں بولتا اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

"کیوں نہیں سو سکتا۔ میں وہیں سوؤں گا اب۔" منہ پھلاتا وہ ہٹیلے پن سے بولا۔

"اچھا رکو تو سہی۔یہی بستر بچھالو اپنا۔ مگر صرف آج رات کے لئے ہاں۔"ماتھے کو چھوتے وہ انگلی اٹھا کر اسے وارن کرتے بولا۔ پھیلی باچھوں کے ساتھ برہان لمبے لمبے ڈگ بھرتا پھدکتا ہوا اس تک آیا تھا۔اسکے گلے لگتے ملکہ جذبات کی طرح اپنے نادیدہ آنسو صاف کیے۔

"مجھے پتہ تھا میرا بھائی بہت نرم دل ہے۔ چھوٹے بھائی کی پریشانی بھلا کیسے دیکھ سکتا ہے۔ آہ ظالم مار ڈالا۔"

براق نے اسکی کمر میں زور کا دھموکہ جڑا تو کراہتا ہوا اس سے الگ ہوا تھا۔

"بستر لگاؤ اور تمیز کے دائرے میں رہتے خاموشی سے سو جاؤ۔میں پڑھ رہا ہوں نظر تو آرہا ہو گا تمہیں۔"

سر جھٹک کر وہ دوبارہ بیٹھ گیا تھا۔برہان کمرے سے نکل گیا تھا۔

براق نے نظریں کتاب پر گاڑھیں مگر ذہن کے پردے پر جیسے کچھ دن پہلے کا واقعہ پھر سے جھلملا اٹھا تھا۔

اس دن وہ نائٹ ڈیوٹی کر کے صبح لوٹا تھا۔ناشتہ کر کے سویا تو دوپہر میں آنکھ کھلی۔اٹھ کر اپنا موبائل چارجر ڈھونڈا جو کہیں مل نہیں رہا تھا۔اور قوی امکان تھا وہ برہان کے ہاتھ لگ چکا تھا ۔اسکے کمرے میں جا کر تلاش کیا تو بھی ناکامی ہوئی۔وہ خود اس وقت گھر پر نہیں تھا اس لئے وہ امل کے روم میں اسکا چارجر لینے گیا تھا۔وہ یونی گئی ہوئی تھی اور انمول اس وقت عموماً کچن میں پائی جاتی تھی۔یہی سوچ کر بنا ناک کیے وہ اندر داخل ہوا تھا اور یہی اس سے غلطی سرزد ہوئی تھی۔بیڈ پر وہ اپنا دوپٹہ خود پر پھیلائے بے خبر سو رہی تھی۔ نظر اس تک گئی، ٹھٹھکی اور پھر جیسے ٹھہر سی گئی۔وہ ساکن و جامد سا وہیں کا وہیں کھڑا رہ گیا تھا۔بڑی بڑی سیاہ آنکھوں پر اسکی گھنی سیاہ لمبی پلکیں سایہ فگن تھی۔ چھوٹی سی ناک کے نتھنے آتی جاتی سانسوں کے ساتھ ذرا کہ ذرا پھولتے تھے، اور ہلکے سے نیم واہ ہونٹ۔ہمیشہ دوپٹے میں چھپے سیاہ بال بے نیازی سے تکیے پر پڑے تھے، وہ شاید شاور لے کر لیٹی تھی، تبھی انکی نمی ہنوز باقی تھی۔چند آوارہ لٹیں اسکے سانولے بے داغ، چمکتے چہرے کا پہرہ دے رہی تھیں۔وہ مبہوت سا دیکھتا چلا گیا۔کوئی انجانی سی کشش تھی جو براق انصاری کو انمول کی طرف کھینچتی تھی۔دل کی دھڑکنیں منتشر ہوئی

تھیں۔ کتنے پل بیت گئے تھے۔ وہ وہیں دہلیز پر کھڑا تھا۔ قدم نہ آگے بڑھے تھے نہ اس نے انہیں اجازت دی تھی۔ وہ ایک عرصے سے ساتھ رہ رہے تھے۔ کہیں بار ایسا ہوتا تھا گھر میں صرف وہ اور انمول ہی موجود ہوتے تھے۔ ندرت نے انکے ذرا ہوش سنبھالنے پر ہی کچھ حدود کا تعین کر دیا تھا جس پر وہ اور برہان دونوں ہی سختی سے عمل پیرا تھے۔ جو بھی تھا انمول بھلے انکے لئے گھر کی فرد جیسی تھی مگر وہ دونوں اسکے لئے نا محرم تھے۔ یہ احساس بڑے غیر محسوس انداز میں ندرت نے انکے دماغ میں بٹھا دیا تھا۔ وہ تو وہ لا ابالی سا برہان بھی اس معاملے میں بہت محتاط نظر آتا تھا۔ جس بے تکلفی سے وہ امل کے ساتھ جڑ کر بیٹھ جایا کرتا تھا، اسکے شانے پر بازو دراز کر لیتا تھا، یا کبھی کسی خاص موقع پر اسے گلے لگا لیا کرتا تھا۔ انمول کے معاملے میں وہ ایسی چھوٹی چھوٹی باتوں کا خیال رکھتا تھا جن کی شریعت اجازت نہیں دیتی تھی۔ بھلے وہ دل سے کبھی امل اور انمول میں کوئی فرق نہیں رکھتا تھا۔

اور براق اس کے دل نے تو کتنے سالوں سے انمول کے لئے کچھ الگ، اچھوتا سا محسوس کرنا شروع کر دیا تھا۔ شروع شروع میں اپنے بدلتے احساسات پر اسے شرمندگی ہوتی تھی۔ بھلا

انمول کو پتہ چلے تو وہ کیا سوچے گی، ماما اسکے بارے میں کیا خیال کریں گی ؟ وہ انمول کے بارے میں اس طرح سے کیسے سوچ سکتا تھا۔ مگر پھر وقت کے ساتھ ساتھ یہ گلٹ ختم ہوتا چلا گیا ۔اسے چاہنا کوئی گناہ نہیں تھا۔ مگر ایک ہی گھر میں رہتے وقت سے پہلے وہ اس پر کچھ عیاں کرنے کا بھی روادار نہیں تھا۔ اس لئے اپنے دل و نگاہ کو ہمیشہ ایک حد میں باندھے رکھا۔

دماغ نے باغی ہوئی دل کو ذرا سرزنش کی تو نظروں کو بھی اپنی بے خودی کا احساس ہوا تھا ۔پلکیں جھپک کر کچھ بے آرام ہوتا وہ پلٹنے کو تھا مگر اسکی آج قسمت خراب تھی۔ کروٹ بدلتی انمول کی آنکھ کھل گئی تھی اور وہ اسے دیکھ بھی چکی تھی۔ وہ بھی اسے جاگتا دیکھ چکا تھا اب پلٹ کر اپنی چوری کا راز فاش نہیں کرنا چاہتا تھا اس لئے یوں تاثر دیا جیسے وہ ابھی ابھی کمرے میں داخل ہوا ہو۔ اسے دیکھ کر اٹھ کر بیٹھتی وہ دوپٹہ کھول کر سر پر لینے لگی تھی۔

"تم ؟ کچھ چاہیے تھا کیا؟" نیند سے کچھ بھاری ہوتی آواز اور گلابی ڈوروں سے مزیں وہ سیاہ ہرنی جیسی غزالی آنکھیں، نظریں بچانا دوبھر تھا مگر وہ کر گیا تھا۔ براق نے اسے نظر انداز کرتے آگے بڑھ کر ڈریسنگ ٹیبل کے ساتھ سوئچ بورڈ میں لگے چارجر کی طرف ہاتھ بڑھایا تھا۔

"کتنی سست ہو تم۔ بھوک سے برا حال ہو رہا ہے میرا اور تم یہاں مزے سے پڑی سو رہی ہو ۔" اپنے دل کی غیر ہوتی حالت کے برعکس وہ شیشے میں دکھائی دیتے اسکے عکس پر نظر جمائے، ذرا سخت آواز میں اسے گھرک رہا تھا۔ انمول نے بستر سے اترتے اپنی قمیض کو جھاڑتے اسے گھورا تھا۔

"کھانا تیار ہے۔ میں تو امی، امل اور برہان کے آنے پر ہی کھاتی ہوں۔ تم بھی صبح کے پڑے سو رہے تھے۔ دو گھڑی میری آنکھ لگ گئی تو کیسے بگڑ رہے ہو۔ اتنے ہی بھوک سے مرے جا رہے تھے تو کچن سے خود لے لیتے۔ مجھ پر خواہ مخواہ کا رعب مت جھاڑا کرو۔ مت بھولو دو سال بڑی ہوں تم سے میں۔" گردن اٹھا کر تنک کر کہتے اس نے اپنے بڑے ہونے کا زعم دکھانا چاہا تھا۔

براق نے دونوں بھنویں باہم بھینچ کر اسے دیکھا تھا۔

"ذرا یہاں آنا۔" وہ اب بھی ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑا تھا۔ انمول نے نا سمجھی سے اسے دیکھا، پھر چھوٹے چھوٹے قدم اٹھا کر چلتی اس سے قدرے فاصلے پر مگر ہم قدم آ کھڑی ہوئی۔

"کیا ہے۔" گردن ترچھی کیے چڑ کر کہا۔

براق نے مسکراہٹ ضبط کرتے بنا اسکی طرف دیکھتے ہنوز سامنے نظریں مرکوز کیے، اسے آئینے میں دیکھنے کا اشارہ کیا تھا۔ انمول نے سامنے دیکھا تھا۔ آئینے میں ان دونوں کا عکس ایک ساتھ جگمگا رہا تھا۔ چھ فٹ کے قریب براق انصاری کے چوڑے چکلے وجود کے سامنے وہ پانچ فٹ سات انچ کی اچھی خاصی قدو قامت کے باوجود چھوٹی سی دکھائی دیتی تھی۔

خفت سے اسکے روشن اجلے، تیکھے نقوش سے سجے وجیہ چہرے پر کھیلتی مسکراہٹ کو دیکھا۔

"تو کون دو سال بڑا ہے محترمہ انمول صاحبہ ذرا روشنی ڈالیں گی آپ۔"

وہ اب سنبھلتا، اپنی پرانی جون میں واپس آ گیا تھا۔

"قد تو ذرا فے کے بچے کا بھی بڑا ہی ہوتا ہے مگر ہوتا وہ بچہ ہی ہے ڈاکٹر صاحب۔ کہو تو اپنا آئی ڈی کارڈ دکھاؤں۔" کہہ کر وہ واش روم کی طرف چلی گئی تھی۔ براق نے پیچھے سے اسکی پشت کو گھورا تھا جو واش روم کا دروازہ اب بند کر رہی تھی۔

"اب واش روم میں مت سو جانا۔ جلدی آؤ مجھے بھوک لگی ہے۔"

وہیں سے ہانک لگاتا وہ ہاتھ میں پکڑا اچار جر لئے واپس مڑا تھا۔

"کیا بھائی یار۔ اتنی دیر سے میں باتیں کر رہا ہوں آپ سے۔ اور آپ پتہ نہیں کون سی سوچوں کی وادیوں میں اٹکیلیاں کرتے پھر رہے ہیں۔"

برہان اسے خشمگیں نظروں سے گھورتا میز پر ہاتھ بجاتا کہہ رہا تھا اور وہ چونکے بنا نہیں رہ سکا تھا۔ اپنے خیالوں میں اس قدر گم تھا کہ اسکی واپسی کا پتہ تک نہ چل سکا۔ کچھ جزبز ہوتے اس نے سر کو ہلکا سا جھٹکا۔

"میں جان بوجھ کر تمہیں اگنور کر رہا ہوں۔ شرافت سے سو جاؤ بچے۔ ورنہ کمرے سے نکال دوں گا۔"

اس نے ذرا سختی دکھاتے بات بنائی تھی۔ برہان نے آنکھیں چھوٹی کر کے بھائی کو گھورنا چاہا مگر اسکے چہرے پر چھائی سنجیدگی دیکھ کر مسکراہٹ کے انداز میں ہونٹوں کو کھینچ ڈالا تھا۔

"راجر باس۔نو پرابلم۔"پلٹ کر منہ ہی منہ میں بڑبڑاتے وہ نیچے بچھے میٹرس پر لیٹ گیا تھا ۔اور خود وہ منتشر ہوئے ذہن کو یکجا کرتے کتاب پر جھک گیا تھا۔

....

"میری انمول تو لاکھوں میں ایک ہے۔جس گھر بھی جائے گی اپنے وجود کی روشنی سے اس آنگن کو جگمگا دے گی۔"

منہ میں چاولوں کا چمچ رکھتے براق نے لاؤنج سے آتی ندرت کی آواز پر کن اکھیوں سے اسکے سانولے چہرے کی طرف دیکھا تھا جو بے نیاز سی برتن سمیٹ رہی تھی۔پھر بہن کی جانب نگاہ کی جو کھانے کے بعد اب وہیں ڈائینگ ٹیبل پر بیٹھی موبائل یوز کر رہی تھی۔

"امل۔"

"جی بھائی۔"بنا سکرین سے نظر ہٹائے کہا۔

"ماما بھی کمال کرتی ہیں۔ اتنی غلط بیانی۔۔۔۔۔ محترمہ انمول خود اندھیرے میں کھڑی ہو جائیں تو دکھائی نہیں دیتیں اور ماما روشنیاں بکھیرنے کی بات کر رہی ہیں۔"

پلیٹ پر جھکے چمچ میں چاول بھرتے اس نے سر جھٹک کر، مسکراہٹ ضبط کرتے کہا تھا۔

امل نے سکرین سے نظر ہٹا کر مصنوئی غصے سے بھائی کو دیکھا۔

اور کچن میں برتن رکھ کر واپس آتی انمول کے کانوں تک اسکے الفاظ نے ٹھیک رسائی حاصل کی تھی۔ چلتی ہوئی وہ آ کر بالکل اسکے قریب کھڑی ہوئی تھی۔

"تم میری فکر مت کرو۔ میں جس گھر بھی جاؤں گی جہیز میں تمہیں ساتھ لے کر جاؤں گی محترم براق انصاری۔ اور جتنے لمبے تم ہو اسٹریٹ پول کی ضرورت بھی نہیں رہے گی۔ اور تمہارے حسن کی بجلیوں سے میرا گھر آنگن کیا پورا گلی محلہ روشنیوں میں نہا جائے گا۔"

میز کی سطح پر ہاتھ جمائے وہ قدرے اسکی طرف جھکی مسکرا کر کہہ رہی تھی۔ منہ کی طرف جاتا چاولوں سے بھرا چمچ ہوا میں معلق رہ گیا تھا اور خود وہ اسے گھور رہا تھا۔

امل کا بے ساختہ قہقہہ گونجا تھا۔ایک ہاتھ سے میز بجا کر اس نے محظوظ ہوتے تالی بجا کر انمول کو داد دی تھی۔

"خوش فہمی کی انتہا۔ مجھ جیسا نایاب ہیرا، خوب صورتی میں بے مثال، پڑھا لکھا ڈاکٹر بابو، گھبرو جوان کون تمہیں جہیز میں دینے لگا ہے۔" کسل کر انگلیوں پر اپنی خوبیاں گنواتا وہ بری طرح تپا تھا۔

"توبہ ہے براق۔رج کے خود پسند واقع ہوئے ہو تم۔اتنی تو لڑکیاں اپنی خوب صورتی کی پبلسٹی نہیں کرتیں جتنی تم اپنی خود کی کر رہے ہوتے ہو۔مجھے تمہاری ہونے والی بیوی سے ھمدردی ہے بے چاری ساری عمر تمہارے منہ سے اپنی تعریف کے دو بول سننے کو ترستی رہے گی اور تم بیٹھ کر اپنے ہی حسن کامل کے قصیدے پڑھتے رہا کرو گے۔بلکہ قوی امکان ہے صبح وشام اس سے بھی اپنی شان میں غزل کہلوایا کرو گے۔"

وہ جس انداز میں اسکے مستقبل کا نقشہ کھینچ رہی تھی امل ایک ہاتھ منہ پر رکھے مسلسل ہنستے ہوئے دوہری ہو رہی تھی۔

"ہوں تم کیا جانو انمول بی بی۔ تمہارا تو وہ حساب ہے وہ کیا کہاوت ہے امل بندر اور ادرک والی ۔" سر کے بال کھجاتے کہا تو امل ہنسنا بند کرتی بھائی کو خفگی سے دیکھنے لگی تھی۔

"بندر کیا جانے ادرک کا سواد۔ خوب صورت ہونا بھی ایک آرٹ ہے۔ بندہ خوب صورت ہو تو دنیا رک کر دیکھتی ہے جیسے کہ میں۔ لڑکیاں مرتی ہیں مجھ پر۔ اور رہی میری بیوی سے ہمدردی والی بات تو معاف کرو تم، اپنی ہمدردی اپنے پاس رکھو۔ اسے تو دنیا رشک سے دیکھا کرے گی۔ آخر اتنا بلا کا ہینڈسم اور چارمنگ شوہر ملنے والا ہے اسے۔"

کالر کھڑے کرتے شرٹ جھٹک کر وہ شوخ سا کہہ رہا تھا۔ آنکھوں سے شرارت صاف عیاں تھی۔ انمول نے تاسف سے سر جھٹکتے امل کو جتاتی نظروں سے دیکھا جیسے کہہ رہی ہو دیکھا میں نہ کہتی تھی۔

"رہنے دیں آپی یہ نہیں سدھرنے والے۔"

امل موبائل پر دوست کی کال آتی دیکھ کر اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ براق نے بہن کو جاتے دیکھ کر گھوری سے نوازا تھا۔ انکی یہ چک چک بھی اس گھر کے لوگوں کے لئے عام سی بات تھی۔

انمول نے برتن سمیٹ کر کچن کی راہ لی تو وہ اسکے جاتے ہی محظوظ سے انداز میں مسکرا دیا۔

....

اگلے کچھ دنوں میں انمول کے لئے تین چار رشتے آئے تھے۔ ندرت چاہتی تھیں وہ جہاں بھی بیاہ کر جائے فیملی چھوٹی ہو، لڑکا پڑھا لکھا برسر روزگار ہو حیثیت میں بھلے ذرا کم ہوں، انہوں نے انمول کے بارے میں کچھ چھپایا بھی نہیں تھا۔ وہ نہیں چاہتی تھیں بعد میں اس بات کی بنیاد پر اس کے لئے کوئی مسئلہ کھڑا ہو۔

"انمول۔"

انکی الماری میں کپڑے رکھ کر وہ پلٹی تھی جب اسائیمنٹس چیک کرتے انہوں نے اسے پکارا تھا

۔

"جی امی۔" وہ مڑی تھی۔

"یہاں آؤ کچھ بات کرنی ہے تم سے۔" عینک اتار کر انگوٹھے اور شہادت کی انگلی سے آنکھوں کو مسلتے اسے بیڈ پر پاس بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ وہ آکر بیٹھی تو ہاتھ میں پکڑی عینک سامنے پڑے کاغذوں کے پلندے پر رکھ دی۔

"تمہیں لائبہ کیسی لگتی ہے؟" انکا سوال غیر متوقع تھا۔ انمول کو حیرانگی ہوئی تھی بھلا وہ اپنی بھانجی کے بارے میں یوں اس سے کیوں استفار کر رہی تھیں۔

"لائبہ۔۔۔اچھی ہے بلکہ بہت پیاری ہے۔" وہ نا سمجھی سے انہیں دیکھ رہی تھی۔

"ہوں۔۔۔مجھے بھی پسند ہے۔ اپنے براق کے ساتھ خوب جچے گی نا؟" اب کی بار وہ مسکرا کر رائے طلب کر رہی تھیں۔ انمول کی آنکھوں میں ستائش بھری چمک ابھری۔

"سچی امی۔بہت پیاری جوڑی بنے گی دونوں کی۔دونوں ہیں بھی تو کتنے پیارے۔" حیرت و انبساط کے باعث اسکی آواز چہچہا اٹھی تھی۔

"میں بھی یہی سوچ رہی ہوں۔براق تو اسپیشلائزیشن کے بعد ہی شادی کرنا چاہتا ہے میں سوچ رہی تھی اللہ کو منظور ہوا تو تمہاری شادی پر ان دونوں کی منگنی کر دیں گے پھر سال بھر کی تو بات ہے براق کی انگلینڈ سے واپسی پر شادی کر لیں گے۔"

ہمیشہ کی طرح ہر اہم کام کا صلح مشورہ وہ اسی سے کر رہی تھیں۔

"سعدیہ خالہ سے بات کی آپ نے؟" وہ دبے دبے پرجوش انداز میں پوچھ رہی تھی۔ندرت نے سر نفی میں ہلایا۔

"نہیں ابھی نہیں۔مگر میں جانتی ہوں اسکی بھی یہی خواہش ہے۔ڈھکے چھپے لفظوں میں کہیں بار کہہ چکی ہے وہ مجھے۔سب سے پہلے یہ بات تم سے ہی کی ہے میں نے۔اب براق سے پوچھ لوں تو پھر کوئی اگلا قدم اٹھاؤں گی۔" وہ بتا رہی تھیں۔انمول نے سر ہلا دیا۔

اسی رات انمول کو دیکھنے جو لوگ آئے تھے انکی کال آگئی۔ انہیں رشتہ منظور تھا ندرت نے سوچنے کے لیے کچھ وقت مانگا تھا۔

رات براق انکے کمرے میں موجود تھا اور وہ اس سے کہہ رہی تھیں۔

"مجھے تو یہ رشتہ ہر لحاظ سے مناسب لگتا ہے۔ لڑکا پڑھا لکھا ہے۔ بینک میں اسسٹنٹ مینجر ہے ۔گھر میں بس ایک ماں ہے، ایک بہن ہے وہ بیاہی ہوئی ہے کراچی ہوتی ہے۔ لمبی چوڑی کوئی فیملی نہیں ہے۔ صاف ستھرے دو لوگ ہیں۔ تم بس لڑکے کی ذرا چھان بین کر لو تو بسم اللہ کرتے ہیں۔"

سامنے بیٹھے براق کے چہرے پر سے کوئی سایہ سا آکر گزرا تھا، اگلے ہی پل وہ نارمل سا بول رہا تھا۔

"ماما آپ کو نہیں لگتا یہ بہت جلدی ہو رہا ہے سب۔"

وہ کچھ بے زار لگتا تھا۔ ندرت کے ماتھے پر بل پڑے۔

"یہ کیا جلدی جلدی کی رٹ لگا رکھی ہے براق تم نے؟ اچھے رشتے ملتے ہی کب ہیں آج کل ۔سب سے بڑی بات وہ انمول کے بارے میں سب کچھ جان کر بھی بخوشی اس رشتے کے لئے ہامی بھر رہے ہیں۔"

"کیا سب کچھ ماما؟ ایسا بھی کیا ہے انمول کے بارے میں جو آپ اتنا حساس ہو رہی ہیں؟" وہ انکی بات تیزی سے کاٹ گیا تھا۔ ندرت نے چند پل رک کر اسے دیکھا۔

"دیکھو براق۔ جس معاشرے میں ہم رہتے ہیں یہاں ذات پات، حسب نسب، خاندان، شجرہ نسب یہ سب باتیں اہمیت رکھتی ہیں۔ ہم بھلے انمول کو اپنے خاندان کا حصہ مانتے ہوں مگر لوگ نہیں تسلیم کرتے۔ میں نہیں چاہتی اسکے ماں باپ کا حوالہ یا وہ کس جگہ سے آئی ہے یہ کبھی اسکے لئے مشکل کا باعث بنے۔ اسی لئے اس کے لئے آنے والے رشتوں کو لے کر میں نے کوئی جھوٹ نہیں بولا، کچھ نہیں چھپایا۔"

وہ رسانیت سے اسے سمجھا رہی تھیں جو بھینچے لبوں کے ساتھ تنی رگیں لئے سن رہا رہا تھا۔

آج کل وہ ویسے بھی کچھ خاموش رہنے لگا تھا۔ انہیں لگا کام کا پریشر ہے۔ جاب بھی تو نئی تھی ۔پھر وہ تھا بھی آرم فارسز ہوسپٹل میں۔ وہاں تو ویسے بھی کام کا پریشر زیادہ ہوتا ہے۔

اسے خاموش دیکھ کر انہوں نے چند توقف کے بعد پھر سے کہا تھا۔

"وہ لوگ جلد شادی کا اصرار کر رہے ہیں اور میں چاہتی ہوں اگر خیر سے انمول کی بات بن جاتی ہے تو میں تمہاری منگنی بھی کر دوں۔ لائبہ میرے خیال میں ہر لحاظ سے بہترین ہے تمہارے لئے۔ تم سوچ لو بیٹا۔ ابھی صرف بات پکی کر دیں گے باقی جب تم اسپیشلائزیشن کے بعد لوٹ کر آؤ گے تو شادی تب کر لیں گے۔"

اور پچھلے بیس منٹ میں یہ دوسرا بم تھا جو اسکے سر پر پھٹا تھا۔ پہلے سے سن ہوا ذہن اب سائیں سائیں کرنے لگا تھا۔ وہ آنکھوں میں بے یقینی لئے ماں کو دیکھ رہا تھا۔ مگر اس بار اس نے اس

جلدی کا گلہ نہیں کیا تھا، بلکہ خاموشی سے وہاں سے اٹھ آیا تھا۔ انہیں لگا اسے سوچنے کے لئے کچھ وقت درکار ہے۔

اور یہ خاموشی ایک بڑے طوفان کا پیش خیمہ ثابت ہونے کو تھی۔

. . . .

دروازے پر کافی دیر سے دستک ہو رہی تھی مگر وہ جان بوجھ کر انجان بنا لیٹا رہا تھا۔ اس وقت وہ اسکا سامنا بالکل نہیں چاہتا تھا۔

"براق۔"

بلا آخر اسکے اپنا نام پکارنے پر ناچار اسے اٹھنا ہی پڑا تھا۔ دروازہ کھولا تھا۔ سامنے وہی کھڑی تھی، کچھ فکر مند سی۔ ہاتھ میں پکڑی ٹرے میں دودھ کا گلاس اور پلیٹ میں کیک کا پیس رکھا تھا۔

"تم نے کھانا بھی نہیں کھایا۔ اب دودھ کے ساتھ یہ کیک کھا لینا۔ خالی پیٹ سوتے نہیں ہیں ڈاکٹر صاحب۔"

اپنی ازلی بے ریا مسکراہٹ کے ساتھ کہتے وہ اسکی سرخ پڑتی آنکھوں کو نظر انداز نہیں کر پائی تھی۔وہ ٹھیک نہیں لگ رہا تھا۔

بنا کچھ کہے براق نے اسکے ہاتھ سے ٹرے لے لی تھی۔

"براق۔"وہ دروازہ بند کرنے کو تھا جب وہ بے ساختہ اسے پکارا اٹھی۔دروازے کی ناپ پر اسکا ہاتھ تھم گیا۔بے تاثر سرخ آنکھوں سے اسکی جانب دیکھا۔

"کیا ہوا؟تم ٹھیک ہو؟"وہ کچھ الجھی ہوئی سی پوچھ رہی تھی۔سیاہ بڑی بڑی آنکھوں میں تشویش سی آن ٹھہری تھی۔

"ہوں۔"اس نے ہنکارا ابھرا۔انمول کی تشفی نہیں ہوئی۔کچھ کہنے کو لب وا کیے پھر رک گئی ۔سر ہلا کر کر وہ پلٹ گئی تو وہ اسکے نظروں سے اوجھل ہو جانے تک براق کی نگاہوں نے اسکے قدموں کے ساتھ سفر طے کیا تھا۔دل نے خواہش کی تھی یہ سفر تمام عمر یوں ہی رہے ،مسافتیں طویل ہوتی جائیں،اور وہ یوں ہی اسکی نظروں کے حصار میں بسی اسکے ساتھ رہے

،منزل کی طرف چلتی رہے،وہ سفر، سفر ناتمام ثابت ہو۔اور عمریوں ہی بیت جائے۔دل کی کسک پر اندر کہیں پھیلی بے کلی دوچند ہونے لگی تھی۔

اگلے کہیں گھنٹے اس نے کمرے میں یہاں سے وہاں اضطراب میں ٹہلتے نکال دیے تھے، چہرے پر گہری سوچ کی لکیریں سی بچھی تھیں۔اسکا لایا دودھ کا گلاس اور کیک یوں ہی سائیڈ ٹیبل پر دھرا تھا۔

ختمی فیصلے پر پہنچتے وہ رک سا گیا تھا۔ایک گہرا سانس خارج کرتے سر کو خم دیا۔ہاں یہی ٹھیک تھا۔مزید دیر کرنا سراسر بیوقوفی تھی۔اس نے ہمیشہ سے سوچا تھا وہ اپنی اسٹڈیز سے مکمل فراغت کے بعد سیٹل ہو کر ماما سے انمول کے بارے میں بات کرے گا۔اسکی جاب تو ہو گئی تھی مگر اسی سال اسے اسپیشلائزیشن کے لئے انگلینڈ جانا تھا۔جس کے بعد وہ شادی کا ارادہ رکھتا تھا اور ندرت سے بات بھی تبھی کرنا چاہتا تھا۔ایک غیر محسوس سی جھجک بھی تھی جو اس سوچ کے ساتھ ہی اس پر اپنا شکنجہ مضبوط کرنے لگتی تھی نجانے ماما کاری ایکشن کیا ہونا تھا؟ مگر یہ تو طے

تھابراق انصاری نے اپنے جیون ساتھی کے روپ میں ہمیشہ سے صرف انمول کو ہی دیکھا تھا ،سوچا تھا اور چاہا تھا۔

اپنے کمرے سے نکل کر وہ تیز تیز قدم لیتا ندرت کے روم کی جانب بڑھا تھا۔ آہستگی سے دروازہ کھولا، نیم اندھیرے کمرے میں وہ بیڈ پر سوئی ہوئی نظر آئی تھیں۔ براق کومایوسی ہوئی ،اپنی پریشانی اور عجلت میں وہ وقت کو تو نظر انداز ہی کر گیا تھا۔ واپس مڑتے آرام سے بنا آواز کیے دروازہ بند کیا۔ کلائی پر بندھی گھڑی کے ڈائل پر نگاہ کی ،رات کے سوا بارہ بج رہے تھے ۔اپنے کمرے میں آکر بیڈ پر بیٹھتے دودھ کے گلاس اور کیک نے اسکی توجہ کھینچی تھی۔ اتنی دیر میں پہلی بار اسکے ہونٹوں پر اک تھکی سی مسکراہٹ نمودار ہوئی تھی۔ اسکے فکر کرنے کے انداز، پرواہ کرنے کی ادا، سب کا خیال اسے کتنا خاص بناتا تھا وہ مکمل استحقاق حاصل کر کے اسے بتانے کا ارادہ رکھتا تھا۔ ٹرے سامنے بیڈ پر رکھتے اس نے چمچ اٹھا کر کیک کا پیس منہ میں رکھا تھا۔ اگلے تین منٹ میں کیک اور دودھ ختم کرتے وہ واش روم دانت صاف کرنے کے

لئے جاچکا تھا۔ نیند تو آج آنی نہیں تھی اسے اب بے صبری سے کل کے طلوع ہونے والے سورج کا انتظار تھا۔

. . . .

ساری رات آنکھوں میں کاٹتے صبح صادق اسکی نجانے کیسے آنکھ لگ گئی تھی۔ جو اب وہ ہڑبڑا کر جاگا تھا۔ گھڑی پونے سات بجا رہی تھی۔ وہ اچھل کر بستر سے نیچے اترا تھا۔ تیز تیز جا کر واش بیس کے سامنے کھڑے ہوتے منہ پر پانی کے دو چھپاکے مارتا وہ باہر کی جانب لپکا تھا۔ بنا ادھر ادھر دیکھے وہ سیدھا ڈائینگ ٹیبل پر پہنچا تھا۔ اسکے اندازے کے مطابق ندرت کالج کے لئے بالکل تیار چائے پی رہی تھیں۔ سلام دیتے وہ وہیں کھڑے ان سے کہہ رہا تھا۔

"ماما مجھے کچھ بات کرنی ہے۔"

ندرت نے خالی کپ میز پر رکھا اور بیٹے کو دیکھا۔

"ابھی دیر ہو رہی ہے براق واپسی پر کرتے ہیں بیٹا۔" کہتے ہوئے وہ اٹھنے کو تھیں۔ انکا کالج بھی آدھے گھنٹے کی مسافت پر تھا۔ ٹریفک جام ہونے پر تو پونہ گھنٹہ بھی لگ جایا کرتا تھا۔

نہیں مجھے ابھی کرنی ہے۔ پلیز تھوڑا سا وقت دے دیں۔" اسکے بے صبرے انداز پر وہ اٹھتے اٹھتے بیٹھ گئیں۔ کلائی پر باندھی چھوٹے ڈائل والی گھڑی پر نظر ڈالی، منہ سے کچھ کہا نہیں بس نگاہ اس پر جمادی یعنی وہ اپنی بات کہہ سکتا تھا۔

براق نے ایک گہری بوجھل سانس خارج کرتے دھڑکتے دل کے ساتھ انہیں دیکھا تھا۔ یہ سب اتنا آسان نہیں تھا جتنا اس نے کل رات کو نجانے کتنی بار سوچا تھا۔

"آپ انمول کے لئے آئے رشتے کو منع کر دیں۔" بلا آخر چند لمحوں کی خاموشی کو توڑتے اس نے ایک ہی سانس میں تیز تیز بول دیا تھا۔ ندرت کی آنکھوں میں اچنبھا سا اترا۔

"کیوں؟ ابھی کل رات ہی تو تمہیں لڑکے کی چھان بین کا کہا تھا میں نے ایک ہی رات میں کر بھی لی تم نے؟"

ان کا متعجب انداز اسے اور مشکل میں ڈال گیا تھا۔ کرسی کی پشت پر ہاتھوں کی گرفت مضبوط کرتے اسے اپنا آپ عدالت میں کھڑا اپنا مقدمہ خود لڑنے جیسا احساس ہو رہا تھا۔

انکے سوال پر اس نے نظریں چراتے سر نفی میں ہلایا۔

"تو پھر وجہ ؟" سخت آواز اور دوٹوک لہجے میں مختصر بات سے انکی اولاد ہمیشہ ڈرتی تھی۔ براق بھی اس وقت اندر سے ڈرا تھا۔

"ماما۔۔۔" وہ آہستگی سے کہتا تھما۔ نظریں ہنوز انکی طرف دیکھنے سے گریزپا تھیں۔

"میں انمول سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔"

اسکی مدھم آواز میں کہے الفاظ بھی اس گھر کے درودیوار پر کسی بارودی گولے کی مانند گرے تھے۔ اور کچن سے آتی ڈائینگ ہال کی دہلیز پر عین اسکی پشت پر کھڑی انمول کا وجود کسی ملبے کے نیچے دب سا گیا تھا۔ یوں لگا تھا جیسے چھت گری ہو اور وہ اس کے نیچے آ گئی ہو، اس لمحے

سانس لینا اتنا ہی دو بھر لگ رہا تھا۔ یہ وہ آخری الفاظ بھی نہیں تھے جو وہ براق انصاری کے منہ سے سننے کی کبھی امید کر سکتی تھی۔

اور ایسی ہی کچھ حالت کا شکار تو ندرت بھی ہوئی تھیں۔ انکے چہرے پر پہلے پہل بے یقینی پھیلی تھی، پھر اس بے یقینی پر ناگواری کی تہہ چڑ گئی اور آخر میں انکا چہرہ کسی احساس سے سرخ پڑ تا تمتمانے لگا تھا۔ وہ ابھی تک براق کے وجود کے پیچھے چھپ گئی انمول کو نہیں دیکھ پائی تھیں۔ جو بت بن گئی تھی، اور بت تو اسکے پیچھے کھڑے کالج اور یونی جانے کو تیار امل اور برہان بھی بن گئے تھے۔

براق نے کچھ متذبذب نظروں سے ماں کی طرف دیکھنا چاہا تھا مگر انکے چہرے پر سجے کٹیلے تاثرات دیکھ اسکی رہی سہی ہمت بھی ہوا ہونے لگی تھی۔

"تم میرے ساتھ میرے کمرے میں آؤ۔" آواز میں بے تاثر پن لئے کہتے وہ اٹھ کھڑی ہوئی تھیں۔ وہ نہیں چاہتی تھیں یہ بات گھر کے کسی تیسرے فرد کے کان میں پڑے، مگر دروازے میں ایستادہ وہ تین بت انہیں اور بھی غصہ دلا گئے تھے۔

امل اور برہان انہیں اپنی طرف متوجہ دیکھ بغلیں جھانکنے لگے تھے۔

اور انمول اس میں تو جیسے وہاں سے ہٹنے کی سکت بھی باقی نہیں رہی تھی۔ انکی بات پر سر اثبات میں ہلاتا وہ پلٹا تھا اور بری طرح سے چونکا تھا۔

یہ سب وہ اس کے سامنے یوں نہیں لانا چاہتا تھا۔ اور اسکی زرد ہوئی رنگت گواہ تھی وہ اس کی بات سن چکی تھی۔ ندرت ان سب کو نظر انداز کرتیں آگے بڑھ گئیں تو وہ بھی سر جھکا کر سب سے نظریں کتراتا انکے پیچھے ہو لیا۔

انمول کسی خواب سے بیدار ہوئی تھی، پیچھے مڑی تو ان دونوں کو دیکھ کر اسکی رہی سہی ہمت بھی جواب دے گئی تھی۔ عرق آلود ہوئی پیشانی کے ساتھ وہ کچن میں دوبارہ گم ہو گئی تھی۔

"کیا تم نے بھی وہی سنا امل ؟" برہان کھوئے کھوئے سے بے یقین انداز میں گویا ہوا۔ امل نے جواب میں سر ہلانے پر اکتفا کیا تھا۔ وہ خود ابھی بے یقینی کی زد میں تھی۔ اسے کیا یقین دلاتی۔

"ہائے گاڈ! یہ کیا تھا۔ میرا دل بند ہونے لگا تھا۔ بگ برو اور انمول آپی؟" کندھے پر جھولتا بیگ اتارتا وہ آگے بڑھ کر ایک کرسی کھینچتا بیٹھ گیا تھا۔ امل نے بھی پیش قدمی کی۔

"تمہیں کیا لگتا ہے اب کیا ہو گا؟" وہ بہت جلد سنبھل کر اب متجسس سا بہن کی طرف رخ موڑے پر جوش نظر آتا تھا۔

"مجھے کیا پتہ؟" امل نے جواب دیا۔

"ویسے اگر ایسا ہو جائے تو کتنا مزہ آئے امل۔ بگ برو تو بڑے گھنے نکلے، ہمارے سامنے کیسے ہر وقت آپی کی ٹانگ کھینچتے رہتے ہیں اور دل ہی دل۔۔۔۔۔" شریر سے انداز میں فقرہ ادھورا چھوڑتا وہ اب مسکرا رہا تھا۔ امل نے اسے گھورا۔

"تمہیں مذاق سوجھ رہا ہے، ماما کے ایکسپریشنز دیکھے تھے نا تم نے؟ مجھے تو بھائی کے لئے فکر ہو رہی ہے۔ پتہ نہیں ماما کیا کہہ رہی ہوں گی انہیں۔" گردن موڑ کر وہاں سے ہی ماں کے کمرے کا بند دروازہ دیکھتی وہ متوحش سی تھی۔

برہان بھی فوری طور پر سنجیدہ ہوا تھا۔ناشتہ تو اب اتنے بڑے دھماکے کے بعد کیا جانا ناممکن تھا وہ تیز تیز جوس گلے میں انڈیلتا گلاس امل کے سامنے رکھ گیا۔

"جوس پی لو۔بی پی لو ہو رہا تمہارا۔" اسکے فق ہوئے چہرے کو دیکھتا وہ دوسرا گلاس بھرنے لگا تھا

۔

"جلدی کرو ورنہ میں تمہیں چھوڑ کر چلا جاؤں گا۔" اپنا گلاس منہ سے لگاتے وہ بولا تو ایک آخری نظر بند دروازے کو دیکھتی وہ سر ہلاتی اپنا گلاس اٹھا گئی تھی۔

....

کمرے میں آکر وہ بیڈ کے پیر ہانے والی سائیڈ پر بیٹھتے اسکی طرف دیکھ رہی تھیں جو ابھی بھی نائٹ شرٹ اور ٹراؤزر میں ملبوس، منتشر بالوں کے ساتھ کمرے میں داخل ہوتا دروازہ بند کر رہا تھا۔

"اب کہو کیا کہہ رہے تھے تم؟"

انکے درشت اور دوٹوک انداز میں کہنے پر براق نے چند قدم انکی طرف بڑھائے، اور عین کمرے کے وسط میں آکر کھڑا ہوا۔

"میں انمول سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔ آپ اسکے لئے آئے رشتے کو منع کر دیں۔" اب کی بار وہ پہلے سے زیادہ پر اعتماد تھا، آواز ہموار اور قدرے مستحکم تھی۔

"اور یہ خناس تمہارے دماغ میں آیا کہاں سے؟" باوجود کوشش کے وہ اپنا غصہ چھپا نہیں پا رہی تھیں۔

"خناس کیوں ماما؟ اس میں ایسی تو کوئی معیوب بات نہیں ہے۔"

"وہ اس گھر کی بیٹی ہے براق۔" انکی آنکھوں میں شدید ناپسندیدگی در آئی تھی۔ جیسے اسکا جرح کرنا انہیں سخت ناگوار گزرا ہو۔

"میں جانتا ہوں۔" وہ ہنوز پر سکون سا کھڑا تھا۔ اور اسکا یہی سکون انہیں بے سکون کر رہا تھا۔

"تو ایسا سوچا بھی کیسے تم نے؟ وہ تمہاری بڑی بہن کی طرح ہے۔ اور تم یہ بات کر کے مجھے اپنی تو اپنی، اس کی نظروں میں بھی یوں گرا رہے ہو۔" انکا بس نہیں چل رہا تھا سامنے کھڑے جوان سال بیٹے کی اس ہٹ دھرمی پر کیا کر گزریں۔ آنکھوں کے سامنے کچھ دیر پہلے کا انمول کا چہرہ لہرایا تو ذہن کی طنابیں ٹوٹنے لگیں۔

"وہ میری بہن نہیں ہے ماما۔ اگر ہوتی تو آپ مجھے اور برہان کو ہوش مندی کی دہلیز پر قدم رکھتے ہی وہ سارے سبق نہ پڑھاتیں جو ہمیں انمول کے معاملے میں اپنی حدود کی پاسداری کرنے کے تھے۔"

وہ بنا جھجکے دوبدو بول اٹھا، ندرت اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"تو کیا وہ سارے سبق میں نے اس لئے پڑھائے تھے کہ تم یوں بے غیرتی دکھاؤ۔"

انکے اس الزام پر وہ تڑپ اٹھا تھا۔ اسی بات کا تو اسے ہمیشہ ڈر رہتا تھا۔ اسکے پاک و صاف جذبے کو ندرت کس انداز میں دیکھیں گی یہ خیال اسے ہمیشہ سے متوحش کر دیا کرتا تھا۔

"یوں مت کہیں ماما۔ بخدا میری نیت یا ارادہ کبھی بھی غلط نہیں رہا۔ میں انمول کی تہہ دل سے عزت کرتا ہوں۔ میں نے اسکے بارے میں کبھی کوئی غلط خیال نہیں رکھا۔ مگر یہ بھی سچ ہے میں نے ہمیشہ اسے ہی اپنے لائف پارٹنر کے طور پر تصور کیا ہے۔"

"دفع ہو جاؤ براق میرے سامنے سے۔ اس سے پہلے کہ میرا ہاتھ اٹھ جائے تم پر۔" مزید کچھ سننے کی سکت ان میں باقی نہیں رہی تو وہ قدرے اونچی آواز میں چینخ اٹھی تھیں۔

براق نے بے بسی بھرے انداز میں انہیں دیکھا تھا۔ معاملہ اسکی سوچ سے زیادہ سنگین ہو چلا تھا

۔

"ماما پلیز ایک بار میری بات سمجھنے۔۔۔"

انہوں نے ہاتھ اٹھا کر اسے روک دیا تھا۔

"بس بہت ہو گیا۔ تم نے جو کہنا تھا کہہ دیا اور میں نے سن لیا۔ اب میری بات کان کھول کر سنو براق۔ اپنے ذہن سے یہ سوچ نکال دو تو یہ تمہارے ساتھ ساتھ ہم سب کے حق میں بہتر ہو گا ۔"

"ماما۔۔۔"

"کہانا مزید ایک لفظ نہیں۔ تم جو کہہ رہے ہو۔ اس کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہو تا۔ رہی بات انمول کے لئے رشتے سے انکار کرنے کی۔ تو اب تمہیں لڑکے کے بارے میں چھان بین کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے یہ کام میں خود کرلوں گی۔ تم اس معاملے سے اور انمول سے کوسوں دور رہو۔"

دوٹوک انداز اور درشت آواز۔ یعنی کہ یہ چیپٹر شروع ہونے سے پہلے ہی بند کر دیا گیا تھا۔ اپنا بیگ اٹھا کر وہ باہر کی جانب بڑھتے رکیں۔

"اور ہاں شام کو میں سعدیہ سے تمہارے اور لائبہ کے لئے بات کر رہی ہوں۔ اپنے ذہن سے یہ خرافات نکال کر خود کو تیار رکھنا۔ مجھے اپنی بات کم از کم اپنی اولاد کے سامنے دوہرانے کی عادت نہیں ہے۔"

اک جتاتی نگاہ اسکے بھینچے ہوئے سرخ پڑتے چہرے پر ڈال کر وہ چلی گئیں تھیں۔ پیچھے وہ غم و غصے اور بے چارگی کی تفسیر بنا کھڑا اکا کھڑا رہ گیا۔

باہر نکل کر انہوں نے ایک نگاہ دوڑائی تھی، امل اور برہان جیسے انکے باہر نکلنے کے ہی منتظر تھے مگر انہیں دیکھ کر یوں ظاہر کرنے لگے جیسے وہ بس نکلنے کی تیاری میں ہوں۔

"امل تم آج یونی سے آف کر لو انمول اکیلی ہے۔" انکے قطعی و سنجیدگی بھرے انداز میں کہنے پر وہ سر ہلاتے واپس مڑ آئی تھی۔ وہ چاہ کر بھی کہہ نہیں سکی تھی انمول تو ہمیشہ سے گھر میں اکیلی ہی ہوتی ہے پھر اب کیا ہو گیا تھا۔

اندر کھڑے براق کے کانوں میں یہ الفاظ کسی پگھلے ہوئے سیسے کی مانند پڑے تھے۔چند پلوں کی عنایت کردہ یہ بے اعتباری اسے جلا کر خاکستر کر گئی تھی۔وہ تیر کی تیزی سے باہر نکلا تھا۔

"کسی کو بھی پہرہ دینے کی ضرورت نہیں ہے میں ہوسپٹل جارہاہوں۔آپ یہ تردد مت کریں ۔"

سرخ پڑتے چہرے کے ساتھ وہ شاکی نظروں سے انہیں دیکھتا غصے وصدمے کا بیک وقت شکار تھا۔ندرت نے کچھ نہیں کہا تھا وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا اپنے کمرے کی جانب بڑھ گیا تھا۔

امل گومگوں سی وہیں کھڑی انکے اگلے حکم صادر کرنے کی منتظر تھی آیا وہ یونی جائے یا نہ جائے ۔مگر وہ اسے بنا کچھ کہے آگے بڑھ گئیں،دروازے کے پاس برہان کو ابھی تک بت بنا کھڑا دیکھ انہوں نے اسے سخت نظروں سے دیکھا تھا۔

"تمہیں بھی چھٹی کرنی ہے؟"انکا انداز طنزیہ سا تھا۔وہ گڑبڑا کر رہ گیا۔

"نہیں میں تو جا رہا تھا اللہ حافظ۔" وہ سرعت سے باہر نکل گیا تھا۔ ندرت بھی اس کے پیچھے پیچھے چلی گئیں تو بیگ کندھے سے اتار کر وہیں لاؤنج کے صوفے پر بیٹھتے اس نے دانت سے ناخن کترنے شروع کر دیے تھے۔ پورے گھر کی فضا یک دم بوجھل پن کا شکار ہو گئی تھی۔

. . . .

بیڈ پر بیٹھے اسکے وجود پر ابھی بھی جیسے کپکپی سی طاری تھی۔ ہاتھوں کی ہتھیلیاں پسینے سے بھیگ بھیگ جاتی تھیں اور کچھ ایسے ہی عرق آلود اسکی پیشانی بھی تھی۔ ٹھنڈے پسینے کی ننھی ننھی بوندیں اسکی پیشانی پر نمودار ہوتیں وہ دوپٹے سے انہیں صاف کرتی اور کچھ دیر بعد وہ پھر سے اس کے ماتھے کی زینت بنا ہوتا۔ اسکی زرد ہوئی رنگت ابھی تک بحال ہونے سے قاصر تھی ۔ گود میں دھری دونوں ہاتھوں کی مٹھیوں میں اس نے اپنا دوپٹہ بھینچ رکھا تھا، اتنی زور سے کہ اسکے ہاتھوں کی پشت پر سبز رگیں ابھر آئی تھیں۔

دل تھا کہ جس کی دھڑکن ابھی بھی معمول پر آنے سے انکاری تھی۔ صبح جیسے اسکی پر سکون زندگی میں اک بھونچال سا آگیا تھا۔ براق کے کہے الفاظ ابھی بھی جیسے اسکے کانوں میں گونجتے اسکے وجود کو زلزلے کی زد میں لئے ہوئے تھے۔

وہ اسکے بارے میں ایسے کہہ بھی کیسے سکتا تھا؟ کہنا تو دور وہ ایسا سوچ بھی کیسے سکتا تھا؟ اسے ذرا اپنی اور اسکی پوزیشن کا خیال نہیں آیا تھا۔ اور ندرت. . . . انکا خیال آتے ہی اسکا دل بیٹھنے لگا تھا۔ بھلا وہ اسکے بارے میں کیا سوچ رہی ہوں گی؟ انکے چہرے پر صاف نظر آرہا تھا براق کی بات انہیں کس قدر گراں گزری تھی۔

کہیں وہ اسے ہی اس سب کا قصوروار نہ سمجھ بیٹھیں؟ کیا پتہ انہیں لگا ہو اسی نے براق کو شہ دی ہے؟ ایک دم سے ذہن میں بجلی کی طرح کوندا یہ خیال اسکے لئے سوہان روح ثابت ہوا تھا۔ آنکھوں سے بھل بھل آنسو گالوں پر بہتے چلے گئے۔ سر کو شدت سے نفی میں ہلاتے اس نے اپنی سوچ کی سبھی راہیں مسدود کرنی چاہی تھیں۔

"نہیں ایسا امی نہیں سوچیں گی۔وہ جانتی ہیں مجھے۔انہیں پورا بھروسہ ہے مجھ پر۔"پل پل ڈوبتے دل کو تسلی دینی چاہی۔

"یہ کیا کیا تم نے براق۔اپنے ساتھ ساتھ میرے لئے بھی عذاب خرید لیا تم نے۔میں نے تو ساری عمر قدم پھونک کر رکھے تھے اور تم نے ایک ہی جست میں میرے قدموں تلے سے ساری کی ساری زمین کھینچ لی۔"

کانپتے ہاتھ سے ماتھے کو چھوتے وہ پھوٹ پھوٹ کر روئی تھی۔

کمرے میں داخل ہوتی امل اسے دیکھ کر پریشان سی تیزی سے اسکی جانب بڑھی تھی جو دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپائے روتے، ہولے ہولے لرز رہی تھی۔

"آپی! آپ کیوں اس طرح رو رہی ہیں۔"اسکے قریب بیٹھ کر دلاسے کے لیے اسکے کندھے پر ہاتھ رکھا تو وہ چہرے پر سے ہاتھ ہٹاتی، پانیوں سے لدی آنکھوں کے ساتھ اسے دیکھنے لگی تھی

۔

"امل میری کوئی غلطی نہیں ہے۔" وہ رندھی ہوئی آواز میں صفائی پیش کر رہی تھی۔ ششدر سی امل بے ساختہ اسے اپنے گلے سے لگا گئی۔

"کس نے کہا آپ کی غلطی ہے؟ آپ ایسا سوچ بھی کیوں رہی ہیں۔ یہ سب بھائی کی اپنی فیلگز ہیں آپی۔ اس میں آپکا کیا دوش؟ اور دوش تو بھائی کا بھی نہیں ہے۔ انہوں نے کوئی گناہ نہیں کر دیا۔" امل کی بات پر وہ ایک جھٹکے سے اس سے الگ ہوتی بے یقینی بھری آنکھوں سے اسکا چہرہ تکنے لگی تھی۔ اسکے اس قدر شاکی انداز پر امل نے نظریں چرائی تھیں۔

"ایسا تم کہہ رہی ہو امل؟ اس نے واقعی ہی کوئی غلطی نہیں کی؟ وہ لمحوں میں میری ذات کو، میری اتنے سالوں کی ساکھ کو سوالیہ نشان بنا گیا ہے اور تم کہتی ہو اسکا کوئی قصور نہیں؟"

"آپی میری بات سمجھنے کی کوشش کریں آپ۔"

"کیا سمجھوں؟ پہلے وہ تو سمجھ لوں جو تمہارے بھائی نے کچھ دیر پہلے سمجھایا ہے۔ میری عقل و خرد سلب ہو کر رہ گئی ہے امل۔ مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہا۔" وہ بے بسی و تکلیف کی انتہا پر تھی

۔دروازے کی چوکھٹ پر ہوسپٹل جانے کو تیار کھڑے براق نے اسکی پوری بات سنی تھی جو امل کو اپنے جانے اور دروازہ اندر سے بند کرنے کا کہنے آیا تھا۔

"ایسا بھی کیا کہہ دیا ہے میں نے جو تم اور ماما دونوں اس طرح ری ایکٹ کر رہے ہو؟"

ان دونوں نے اسکی آواز پر بیک وقت اسکی جانب دیکھا تھا۔انمول کی آنکھوں میں اسے یوں ڈھٹائی سے سراپا سوال بنا دیکھ کر چبھن کا شدید احساس جاگا تھا۔اس کا وجیہ چہرہ آج سے پہلے برا ہی کب لگا تھا مگر آج۔۔۔۔اگلے ہی پل وہ ناگواریت سے نظریں پھیر گئی۔

"امل اس سے کہو یہ چلا جائے یہاں سے مجھے اس سے کوئی بات نہیں کرنی۔" اسکی آواز غصے کے باعث کپکپا گئی تھی۔

"کیوں بات نہیں کرنی؟ایسے بھی کون سے گناہ کا مرتکب ہو گیا ہوں میں جو تم مجھ سے بات کرنا تو دور میری طرف دیکھنا تک گوارا نہیں کر رہی۔"

وہ چل کر اسکے سامنے آ کھڑا ہوا تھا۔

"یہ تم مجھ سے پوچھنے سے بہتر ہے خود سے پوچھو۔" وہ آہستہ آواز میں چلائی تھی۔ اسکی طرف شکایت سے دیکھتی، ان آنکھوں سے بہتے نمکین پانیوں میں اندر لگی آگ سے دھواں سا بننے لگا تھا۔

ماحول میں بڑھتے تناؤ کے پیش نظر امل اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ اسے اس وقت وہاں اپنی موجودگی آکورڈ سی لگ رہی تھی۔ ہاتھ باہم مسلتے وہ شش و پنج میں تھی آیا وہ کھڑی رہے یا آہستگی سے باہر نکل جائے کہ براق نے اسکی یہ مشکل آسان کر دی۔

"امل تم باہر جاؤ مجھے انمول سے اکیلے میں بات کرنی ہے۔"

بنا اسکے سرخ پڑتے پل پل رنگ بدلتے بھیگے چہرے پر سے نظریں ہٹائے وہ امل سے کہہ رہا تھا وہ سر ہلاتی آگے بڑھنے لگی۔

"امل کہیں نہیں جائے گی۔وہ یہی رہے گی کوئی یہاں سے جائے گا تو وہ تم جاؤ گے براق انصاری ۔"اسکے سختی بھرے الفاظ اور کٹھور لب و لہجے نے جہاں امل کے قدم زنجیر کیے تھے۔وہیں اب تک سکون سے کھڑے براق کے ماتھے پر بھی بل نمودار ہونے لگے تھے۔

"چھوٹی سی بات کو بڑھاؤ مت انمول۔ہم چھوٹے بچے نہیں ہیں۔پڑھے لکھے باشعور بالغ لوگ ہیں۔تم یوں جاہلوں کی طرح شدید اور بچگانہ رد عمل دے کر معاملے کو مزید مت الجھاؤ۔"

وہ بھی تندی پر اتر آیا تھا۔انمول سختی سے گالوں پر بہتے آنسو صاف کرتے اسے اب بھی تیز چبھتی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

امل بے چاری اس سارے میں خود کو مس فٹ محسوس کرتی آہستگی سے کھسک کر بیڈ کے دائیں جانب براق کے پیچھے پڑی کرسی پر بیٹھ گئی تھی۔

اور اب ہاتھ کی مٹھی بنائے ہونٹوں پر رکھے، نظریں فرش پر گاڑھے بیٹھی تھی۔

"تم نے اپنے بڑے ہونے کا بڑا اچھا ثبوت دیا ہے۔ تمہارے بڑے ہونے میں کوئی شک تو اب رہا ہی کہاں ہے۔ تم تو اتنے بڑے ہو گئے ہو کہ یہ بھی بھول بیٹھے ہو میں تم سے بھی دو سال بڑی ہوں۔ میرے اور تمہارے درمیان ایک بے نام سہی مگر قابل تعظیم رشتہ تھا جسے تم نے آج صبح اپنی باشعور اور پڑھی لکھی سوچ سے داغ دار کر دیا ہے۔ میں تمہارے لئے بڑی بہن جیسی تھی براق۔"

وہ دانت پیس کر کہتی کس قدر بے چارگی کی تفسیر بنی ہوئی تھی، بہت سارا کرب ضبط کرنے کے باوجود اسکے الفاظ میں رچا بسا درد اسکی اندرونی توڑ پھوڑ کا غماز تھا۔

براق نے ایک نظر پیچھے بیٹھی چھوٹی بہن کو دیکھا تھا۔ اسکے سامنے اس طرح سے انمول سے بات کرنا اسکے لئے بے آرامی کا باعث تھا۔ ورنہ وہ دو منٹ میں اسکے سارے بودے جوازوں کو زائل کرتے دلائل دینے کی سکت رکھتا تھا۔

"ابھی تمہارا دماغ واقع ہی کچھ سوچنے سمجھنے سے قاصر ہے۔ اس لئے کوئی بھی بات کرنا یا کہنا عبث ہے۔

ہم بعد میں بات کریں گے۔امل آکر دروازہ اندر سے بند کرلو۔"

اسے ملامتی نظروں سے دیکھتا،وہ مڑ کر امل سے کہتا تیزی سے باہر نکل گیا تھا،امل اٹھ کر اسکے پیچھے چل دی۔انمول نے سر نخوت سے جھٹکا۔اس کے اندر جلتے الاؤمیں بہت سارا غم وغصہ تھاجو باہر نکلنے کی راہ تلاش کرتا اسے اندر ہی اندر جلائے جارہا تھا۔

....

اس دن پہلی بار ایسا ہوا تھا انمول،ندرت کو صبح گھر سے نکلتے اللہ حافظ کہنے گیٹ تک نہیں گئی تھی اور پھر واپس آنے پر بھی وہ ان سے چھپتی پھر رہی تھی۔کچھ نہ کرنے کے باوجود اسے شدید اہانت اور شرمندگی کے احساس نے اپنے گھیرے میں لے رکھا تھا،اور وہ چاہ کر بھی اس سے باہر نہیں نکل پارہی تھی۔خلاف معمول اس نے خود کو سب سے قطع تعلق کرتے خود کو کمرے میں مقید کرلیا تھا،کوئی کام کرنے کا جی ویسے بھی نہیں چاہ رہا تھا۔امل نے سارا دن گھر کے چھوٹے موٹے سبھی کام نمٹائے تھے اور اس نے ہمیشہ کی طرح اسے منع کرنے کے بجائے چپ سادھ رکھی تھی۔

باہر سے برہان، امل اور ندرت کے بولنے کی آوازیں آنے لگی تھیں مگر وہ اٹھ کر باہر نکلنے کے بجائے ہنوز چادر سر تک تانے لیٹی رہی تھی۔ امل اسے کھانے کا کہنے آئی تھی مگر اس نے منع کر دیا۔ وہ بھی بنا اصرار کیے واپس ہو گئی تو کچھ دیر بعد آہٹ پر کمرے میں کسی کی موجودگی کا احساس پا کر وہ بنا چادر اتارے بول اٹھی۔

"امل مجھے بھوک نہیں ہے۔ جب ہو گی تو کھالوں گی۔"

"کیوں بھوک نہیں ہے؟ اٹھ کر باہر آؤ سب انتظار کر رہے ہیں۔"

امل کے بجائے ندرت کی آواز پر وہ اٹھ کر بیٹھ گئی تھی۔ ستے ہوئے چہرے کے ساتھ وہ نظریں چراتی اپنا بیڈ پر پڑا دوپٹہ اٹھا کر اوڑھنے لگی اب وہ خود چل کر آئی تھیں بلانے، انکار کرنے کا کوئی جواز باقی نہیں رہا تھا۔ ندرت نے اسے بغور دیکھا تھا پھر چل کر اسکے سامنے آتیں بیڈ پر قریب بیٹھ گئیں۔

"انمول! تم سے یہ توقع نہیں تھی مجھے بیٹا۔ تم تو میری سب سے سمجھ دار بیٹی ہو۔ اور یہ حال بنا رکھا ہے تم نے۔ وہ تو ہے ہی شروع سے جذباتی اور ضدی، بنا سوچے سمجھے بول دینے والا، اسکے بچپنے پر تم یوں اپنا حال بے حال کرو گی تو کیسے چلے گا۔"

اسکی طرف دیکھتے وہ رسان بھرے نرم انداز میں گویا ہوئیں تو نا چاہتے ہوئے بھی انمول کی آنکھوں کے کنارے بھیگنے لگے تھے۔

"امی اس نے ایسی بات کہہ کیسے دی۔ میرے لئے وہ اب بھی وہی چھوٹا سا براق ہی تھا جس کے سارے کام میں بڑی بہن ہونے کے ناطے کرتی رہی ہوں۔ وہ اتنا بڑا کب ہو گیا مجھے پتہ بھی نہیں چلا۔"

اپنے دل کا بوجھ وہ ہمیشہ سے ان سے کہہ کر ہی تو ہلکا کیا کرتی تھی۔ اب بھی حرف شکایت زبان پر انہی کے سامنے آیا تھا۔ ندرت نے اس کے گود میں دھرے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھا۔

"مجھے پتہ ہے تمہاری دل آزاری ہوئی ہو گی۔ مجھے بھی شاک لگا تھا۔ مجھے لگتا ہے وہ تمہارے جانے کو لے کر ڈسٹرب ہے۔ میں نے نوٹ کیا ہے جب بھی تمہاری شادی کا ذکر ہو وہ چڑ چڑا ہونے لگتا ہے۔ اس گھر کو، یہاں کے افراد کو تمہیں اپنے ارد گرد دیکھنے کی عادت ہے بیٹے۔ بس اب یہی عادت پاؤں میں کنکر کی طرح چبھتی انہیں آگے بڑھنے نہیں دے رہی۔ ہم سب کے لئے تمہیں رخصت کرنا مشکل امر ہو گا مگر براق، اسے تم بھی جانتی ہو جن چیزوں یا لوگوں سے وہ انس رکھتا ہے انکے لئے کس قدر پوزیسیو ہو جاتا ہے۔ اپنی چیزیں چاہے وہ پرانی ہو جائیں وہ انہیں استعمال کرے نہ کرے، اسے پسند ہوں نا ہوں مگر جو اسکا ہے وہ کسی اور کو کبھی نہیں دے گا۔ کتنی شرٹس ہیں اسکی جو اسکی الماری میں یوں ہی پڑی ہیں وہ انہیں پہنتا تک نہیں ہے مگر وہ برہان کے لاکھ کہنے پر بھی اسے وہ کبھی نہیں دیتا۔ ویسی نئی لا کر دے دے گا مگر اپنی چیز کبھی نہیں دے گا۔ اسکی اس عادت سے میں شروع سے بیزار رہی ہوں، کتنی کوشش کی بدلنے کی مگر عمر کے ساتھ ساتھ یہ بدلی نہیں مزید پختہ ہو گئی۔ مگر اس بار اسے سمجھنا ہو گا تم کوئی چیز نہیں ہو جسے ہم اپنی سہولت یا اپنی ضد میں ہمیشہ کے لئے اس گھر میں رکھے رکھے گے

۔ تمہاری اپنی ایک زندگی ہے جو میں چاہتی ہوں ہر لحاظ سے مکمل اور خوشیوں بھری ہو ۔" اسکے چہرے پر بہتے آنسو انہوں نے اپنے ہاتھ سے صاف کیے تھے۔ کچھ پل کے لئے وہ رکی تھیں۔

"تم جانتی ہو انمول میں نے تم میں اور اپنے بچوں میں کبھی کوئی فرق نہیں کیا۔ بلکہ ان سے بھی زیادہ تمہیں ہمیشہ اہمیت دی ہے۔ کیوں کہ تم میرے مشکل وقت کی ساتھی ہو، بہت چھوٹی عمر میں ہی تم نے میری بہت ساری ذمہ داریاں اپنے چھوٹے چھوٹے کندھوں پر لاد کر مجھے اپنا مقروض کر لیا تھا بیٹا۔ میں وہ قرض کسی صورت نہیں اتار سکتی۔ تم نہیں جانتی اللہ نے تمہیں میرے لئے بہت ساری آسانیوں کے ساتھ ہماری زندگی میں کسی فرشتے کی صورت بھیجا تھا ۔ تم نے اس گھر کے لئے، اس گھر کے ایک ایک فرد کے لئے جتنا کچھ کیا ہے کوئی کسی کے لئے نہیں کرتا۔"

وہ بہت کم اپنی فیلنگز کا یوں کھل کر اظہار کیا کرتیں تھیں۔ مزاج میں سخت گیری کا عنصر نمایاں تھا اور کچھ شوہر کی جلد وفات نے انہیں مزید سنجیدہ مزاج بنا دیا تھا۔ اولاد کی بہتری کے لئے

انہیں کہیں معاملات میں زیادہ سختی سے پیش آنا پڑتا تھااور رفتہ رفتہ یہ عادت پختگی اختیار کرتے انکی فطرت کا حصہ بن گئی تھی۔

"ایسے مت کہیں امی۔ آپ نے جو میرے لئے کیا ہے اس کے مقابلے میں یہ تو کچھ بھی نہیں ۔ مجھ جیسی کم ذات، کچے کے علاقے میں ایک بوسیدہ سی جھگی میں پیدا ہونے والی کو آپ نے یہ معیاری اور پر آسائش زندگی دی ہے۔ کتنے بچے ہوں گے جو اس ماحول میں پیدا ہو کر ایسی زندگی کا تصور بھی کرنے کی حیثیت رکھتے ہوں گے۔ لوگ تو ہم جیسوں کو اپنا جھوٹا بھی سو باتیں کر کے، احسان جتا کر دیتے ہیں، آپ نے تو مجھے اپنی بیٹی بنا کر اپنا پورا گھر میرے حوالے کر دیا تھا۔ یہ میری ریاست تھی جہاں میں نے راج کیا ہے، بہت حق دعوے سے اپنی مرضی چلائی ہے۔ براق، امل، برہان کو ڈانٹا ہے، غلطی کرنے پر بچپن میں انہیں سزائیں دی ہیں ۔ کہیں معاملوں میں انکی رائے کو رد کر کے ان پر اپنی مرضی تھوپنی ہے۔ آپ سے لاڈ اٹھوائے ہیں۔ اتنی محبت، اتنا اپنا پن وصولا ہے کہ خود کو آپ سب کا ہی حصہ سمجھنے لگی ہوں۔"

وہ ماضی کے جھرونکوں میں جھانکتی روتے ہوئے ہنس دی تھی۔ ندرت نے اسے پر شفقت نظروں سے دیکھا تھا، انکے ہونٹوں پر بھی مسکان آگئی تھی۔

"تم ہمارا ہی حصہ ہو۔ اب جلدی سے اٹھو۔ باہر وہ دونوں منہ لٹکائے بیٹھے ہیں۔ منہ ہاتھ دھو کر جلدی آؤ تاکہ کھانا شروع کریں۔ اور اب میں تمہیں یوں اداس نہ دیکھوں۔ یوں سمجھو جیسے کچھ ہوا ہی نہیں براق سے میں خود ڈیل کرلوں گی۔"

اسکا گال تھپتھپا کر وہ اٹھ کھڑی ہوئیں۔ مسکرا کر سر اثبات میں ہلاتے اسکے دل پر پڑا کوئی بھاری پتھر جیسے سرک گیا تھا۔ اپنا وجود ایک دم سے ہلکا پھلکا محسوس کرتی وہ اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

براق کی بات پر شاک اور صدمہ اپنی جگہ، اسے غصے بھی بہت آیا تھا۔ مگر اسکی اصل پریشانی کی وجہ ندرت کا اس کے بارے میں مؤقف تھا۔ وہ اس سب میں اسے قصوروار نہ سمجھ بیٹھیں ، اس سے خفا نہ ہو جائیں، اسکے کردار پر کوئی انگلی نہ اٹھے اسے تو بس یہی سوچ صبح سے کھائے جا

رہی تھی۔ مگراب وہ اس تکلیف سے آزاد ہو چکی تھی۔ براق کی اس بچگانی حرکت سے ندرت خود نمٹ لیں گی وہ جانتی تھی۔

. . . .

اگلے دو تین دن میں ندرت نے انمول کے رشتے کے لئے ہامی بھر دی تھی۔ براق سے انکا بائیکاٹ چل رہا تھا۔ انہوں نے اس صبح کی بحث کے بعد اسے مخاطب نہیں کیا تھا۔ اور انکا خیال تھا یہ خاموشی بھری ناراضگی اسے راہ راست پر لانے میں کارآمد ثابت ہو گی۔ جب کہ دوسری طرف وہ تھا جو خود اپنے تیئں ان سے خفگی کا اظہار خاموشی اختیار کر کے کر رہا تھا۔ انکی ناراضگی دور کرنے کی اس نے ایک بار بھی کوشش نہیں کی تھی۔ وہ اگر اس سے مخاطب نہیں ہو رہی تھیں تو براق نے بھی مزید کوئی بات کرنے کی ان سے کوشش نہیں کی تھی۔ وہ بس ان کے ٹھنڈے ہونے کا انتظار کر رہا تھا۔ کچھ دن گزرنے کا منتظر، تاکہ وہ انہیں آرام سے قائل کر سکے۔ رہی انمول تو وہ تو ہر اس جگہ سے غائب ہو جاتی تھی جہاں اسکی موجودگی کا ذرا برابر بھی امکان ہو تا تھا۔ براق کے وہ تمام کام جو وہ کیا کرتی تھی آج کل امل سر انجام دے رہی تھی

صبح اسے جگانے کے لئے کمرے کا دروازہ بجانا امل کے سر تھا، اسے ناشتے سے لے کر رات کا کھانا اور دودھ کا گلاس تک امل دیا کرتی تھی۔

وہ ندرت اور انمول کی یہ ناراضگی و غصہ وقتی سمجھ کر صبر و تحمل سے کام لے رہا تھا۔ کہیں نہ کہیں اس رد عمل کا اسے اندازہ تھا اس لیے یہ اتنا غیر متوقع بھی نہیں تھا۔ اس وقت ضروری تھا وہ کچھ دیر کے لئے حالات کی سنگینی کے پیش نظر خاموشی اختیار کر لیتا۔ اور اس نے ایسا ہی کیا تھا مگر یہ ترکیب زیادہ کار آمد ثابت نہیں ہوئی تھی۔

اس شام وہ ہوسپٹل سے لوٹا تو پانی پینے کے لئے فریج کھولتے نظر مٹھائی کے ڈبے پر پڑی تھی ۔امل اسکے لئے چائے بنا رہی تھی۔

"یہ مٹھائی کس خوشی میں آئی ہے۔"

ہاتھ بڑھا کر وہ گلاب جامن اٹھاتے اس سے پوچھ رہا تھا۔ امل نظریں چراتی اسکی طرف پشت کرتے چائے کھولتے چائے کے پانی کی طرف متوجہ ہو گئی تھی۔

"ماما نے آپی کے رشتے کے لئے ہاں کر دی ہے۔ وہی لوگ آج مٹھائی لے کر آئے تھے۔"

اور گلاب جامن کا ٹکڑا ابراق کے گلے میں کہیں پھنس کر رہ گیا تھا۔ کھانسی کا شدید دورہ تھا جو اسے پڑا تھا یہاں تک کہ امل بھی بوکھلا گئی تھی۔ پانی گلاس میں انڈیلتے وہ اسے پانی دے رہی تھی مگر وہ قدرے جھکا کھانسنے کے باوجود گلاس لینے کا روادار نہیں تھا۔ آنکھوں میں کھانسنے سے پانی آ گیا تھا۔ کچھ دیر بعد خود ہی کھانسی کی شدت کم ہوئی تو وہ امل کو وہیں چھوڑ خود باہر نکل گیا تھا۔ امل اسکے پیچھے کچن کی دہلیز تک آئی تھی۔ اسکا رخ ماما کے کمرے کی طرف دیکھ کر متوقع گھمسان کے رن کا سوچ کر ہی اسکی جان آدھی ہونے لگی تھی۔

"آپ ایسا کیسے کر سکتی ہیں؟"

کمرے میں داخل ہوتے چھوٹتے ہی وہ خفا سا بولا تو جائے نماز تہہ کرتیں ندرت نے چونک کر اسے دیکھا تھا۔ تین دن بعد وہ انکے سامنے کھڑا تھا۔ اور اسکے چہرے پر ویسی ہی سرخی اور باغی پن تھا جیسا تین دن پہلے اس صبح کو تھا۔

"مجھے جو ٹھیک لگا میں نے وہی کیا۔ تمہیں جواب دہ نہیں ہوں میں۔" آواز کو بے تاثر رکھتے وہ اسے دیکھنے کے بجائے جائے نماز شیلف میں رکھتے کرسی پر بیٹھ تسبیح کے دانے پرونے لگی تھیں

۔

"بالکل غلط کر رہی ہیں آپ۔ زیادتی کر رہی ہیں میرے ساتھ۔ بلکہ انمول کے ساتھ بھی زیادتی ہے یہ۔ جو رشتہ آپ نے اسکے لئے منتخب کیا ہے اس سے ہر لحاظ سے سو نہیں ہزار گنا بہتر میرا پروپوزل تھا۔ مگر آپ اپنی بے جا ضد میں یہ نظر انداز کر رہی ہیں۔ ابھی نماز پڑھی ہے نا آپ نے۔ اپنے دل سے پوچھ کر بتائیں۔ کیا میرا انمول کے لئے ایسا سوچنا کوئی گناہ ہے ۔ کیا اللّٰہ نے کوئی حد نافذ کی ہوئی ہے اس پر؟ آپ کے یا اس کے ہمیں بہن بھائی کہنے سے ہم بہن بھائی نہیں بن جاتے ماما۔ مجھے شریعت اجازت دیتی ہے اس کے ساتھ یہ رشتہ جوڑنے کی ۔ یہ گناہ نہیں ہے تو پھر آپ کیوں اسے گناہ بنا رہی ہیں؟ آپ بتائیں کیا انمول کے بجائے میں کسی اور لڑکی سے شادی کا خواہشمند ہوتا تو بھی آپ یوں ہی ایک بھی منٹ سوچنے، میری بات سمجھنے کے لئے وقف کرنے سے پہلے انکار میرے منہ پر مار دیتیں؟"

وہ انکے سامنے کھڑا تھا، آواز دھیمی تھی مگر مضبوط تھی۔ انداز بے باک تھا مگر تمیز کا دامن اس نے تھام رکھا تھا۔ لہجے میں کسی قسم کا کوئی جھول نہیں تھا جو اسکے ارادوں کی پختگی کا گواہ تھا۔

ندرت نے بھی غصے کے بجائے تحمل مزاجی سے کام لینے کی ٹھانی تھی۔

ورد کرتے ہونٹوں اور تسبیح کے دانے گراتے ہاتھوں کی جنبش رکی تھی۔ گہری نظر اس کے ضبط کے باعث متغیر چہرے پر ڈال کر وہ بولیں تو آواز میں بھی سکوت تھا۔

"تمہیں کیا لگتا ہے میں تمہاری دشمن ہوں یا انمول کی دشمن ہوں؟ اس وقت تم جذباتی ہو کر ایک غلط چیز کی ضد لگائے بیٹھے ہو تو کیا میں جان بوجھ کر تمہیں کھائی میں گرنے دوں؟ تم نے جب نیا نیا چلنا شروع کیا تھا تو تم صوفے پر چڑھ کر چھلانگ لگانے کو مچلتے تھے، اور میں ہر بار تمہیں پکڑ کر روک لیا کرتی تھی۔ اس پر تم بہت روتے تھے چینختے تھے۔ مجھ سے اپنا آپ چھڑانے کی کوشش کرتے تھے۔ تب بھی تمہیں میں اپنی دشمن ہی لگتی ہوں گی مگر میں ایسا صرف تمہیں نقصان سے بچانے کو کرتی تھی۔ اب بھی یہی کر رہی ہوں۔ اب بھی تمہیں لگ رہا ہے میں تمہیں روک کر کوئی ظلم کر رہی ہوں مگر در حقیقت یہ تمہاری بھلائی کے لئے ہے

اور یہاں بات صرف تمہاری نہیں ہے براق یہاں انمول بھی جڑی ہوئی ہے۔اسے جانتے بوجھتے صرف تمہاری چند دنوں کی وقتی خوشی کے لئے آگ میں جھونک دوں؟تم بچوں کو پتہ نہیں کیوں لگتاہے ماں باپ تم لوگوں کے دشمن ہے۔لیکن یہ بھول جاتے ہو کہ جتنی تم لوگوں کی عمر ہوتی ہے اس سے دوگنازیادہ ہمارا تجربہ ہوتا ہے۔اور ہر ماں یہ چاہتی ہے اس کی اولاد خود کو تجربے کی بھٹی میں پکاکر جل کر سیکھنے کے بجائے اس کے تجربے سے سیکھ جائے۔تو کیاوہ غلط ہوتی ہے؟میں تمہاری ماں ہوں بیٹا۔میں جانتی ہوں تمہیں،تمہارے اور انمول کے مزاج میں زمین آسمان کافرق ہے۔اور صرف مزاج نہیں تم دونوں ہر لحاظ سے ایک دوسرے کا الٹ ہو۔ابھی تم ان باتوں کو نہیں سوچ رہے جو میں دیکھ رہی ہوں مگر کچھ عرصے بعد تم جب اپنے فیصلے پر پچھتاؤگے تو واپسی کا سفر بہت تکلیف دہ ہوگا۔تمہارے لئے بھی،انمول کے لئے بھی اور اس گھر کے ہر ایک فرد کے لئے بھی۔لہذا اس بڑی تکلیف سے بچنے کے لئے بہتر ہے تم یہ چھوٹی کسک اٹھالو۔"

ہر ممکن حد تک اپنے لب ولہجے کو دھیما رکھے وہ متانت سے اسے سمجھا رہی تھیں جس کا چہرہ انکی بات سنتے ہر گزرتے لمحے رنگ تبدیل کر رہا تھا۔

"آپ کو کیوں لگتا ہے میں اپنے اس فیصلے پر پچھتاؤں گا ماما۔یا میں انمول کو خوش نہیں رکھ سکوں گا؟میری فیلنگز آپ کو وقتی کیوں لگ رہی ہیں؟"

وہ انہیں شکایتی نظروں سے دیکھتا سراپا سوال بنا کھڑا تھا۔

ندرت نے بیٹے کو دیکھتے ایک گہرا سانس خارج کیا تھا۔وہ کہنا نہیں چاہتی تھیں مگر اس کے سوا اب چارہ نہیں تھا۔

"کیوں کہ میں تمہیں جانتی ہوں۔میں کہنا نہیں چاہتی تھی براق مگر اب تم مجھے مجبور کر رہے ہو۔لڑکپن کی حدود میں داخل ہونے سے لے کر آج تک یہ تم ہی ہو جو اسے اٹھتے بیٹھتے اسکے کم شکل ہونے کے طعنے دیتے رہتے ہو۔بھلے مذاق ہی کرتے ہو مگر تم بھی جانتے ہو وہ تمہارے سامنے کچھ بھی نہیں ہے۔تم کتنے خود پسند ہو،اپنے خوب صورت ہونے کا کتنا تمہیں زعم ہے

یہ بھی کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ہے۔بے شک شکلیں اللہ بناتا ہے اور اس کی تخلیق بے عیب ہے۔ مگر ہم انسان ہیں نا ہمارے اپنے پیمانے ہیں حسن ماپنے کے۔بے جوڑ رشتے بنانا آسان ہوتا ہے نبھانا جان جوکھوں کا کام ہے۔ بچپن سے عادت ہے تمہاری بازار جاتے ہو جو پہلی نظر میں بھا جائے وہ اٹھا لاتے ہو مگر پھر کیا ہوتا ہے ؟ کتنے کپڑے ہیں تمہارے جو تم نے بڑی خوشی خوشی خریدے مگر پھر ایک بار پہن کر دوبارہ انہیں ہاتھ نہیں لگایا، مڑ کر انکی طرف دیکھا نہیں کیوں ؟ کیوں کہ تمہیں لگا وہ تم پر سوٹ نہیں کیے۔میں نہیں چاہتی انمول کے معاملے میں بھی ایسا ہی ہو۔ تم اس سے شادی کر لو کچھ ماہ بعد یا سالوں بعد تمہیں لگنے لگے وہ تمہارے ساتھ سوٹ نہیں کرتی، تم دونوں مس میچ ہو تو پھر کیا کرو گے ؟ اسے بھی ایک کونے میں ڈال دو گے یا چھوڑ دو گے ؟ یا پھر کسی بوجھ کی طرح یہ رشتہ تمام عمر نبھاتے رہو گے اور نہ خود خوش رہو گے نہ اسے خوش رکھ سکو گے۔اسی لئے میں تمہاری طرف جذباتی پن کا مظاہرہ نہیں کر سکتی۔ مجھے بہت کچھ سوچنا پڑتا ہے، دیکھنا بھالنا پڑتا ہے۔ آخر سوال میرے بچوں کی عمر بھر کا ہے۔ انمول کے لئے جو رشتہ میں نے منتخب کیا ہے وہ بالکل مناسب ہے۔ لڑکا شکل وصورت، جاب، حیثیت

سب میں متناسب ہے۔میں نے انمول کے بارے میں بھی ان سے اسی لئے کچھ نہیں چھپایا کہ بعد میں یہ کوئی مسئلہ نہ بنے۔میرے خیال میں رشتہ جوڑ کا ہو تو نبھانا سہل ہو جاتا ہے ۔تمہارے لئے لائبہ کا انتخاب بھی اسی سوچ کے تحت کیا ہے میں نے۔وہ خوب صورت ہے ماشاءاللہ تمہارے ساتھ چلے گی تو ہر اٹھنے والی نگاہ میں ستائش ہو گی، کبھی تمہیں اس کی کم مائیگی کا احساس نہیں ہو گا۔"

وہ بول رہی تھیں اور براق انہیں بت بنا کھڑا دیکھ رہا تھا۔یہ تو اس نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا اپنے مذاق مذاق میں کہے جملے یوں اس کے گلے کا طوق بن جائیں گے۔انمول سے کی جانے والی چھیڑ چھاڑ اسکی طرف جاتے راستے کا پتھر بن کر اسے قدم جمانے سے روک دے گی۔

"ماما وہ تو میں بس ویسے ہی بول دیا کرتا ہوں۔بخدا میرے دل میں ایسی کوئی بات نہیں ہے ۔آپ اسے جواز بنا کر یوں فیصلہ مت کریں پلیز۔" انکے سامنے آکر وہ دوزانوں بیٹھتا ایک ہاتھ کرسی کی ہتھی پر جمائے التجائیہ لہجے میں گویا ہوا تھا۔

"میں فیصلہ کر چکی ہوں براق۔ بہتر ہو گا تم جلد از جلد اس کو قبول کر لو۔ اور میری اس بات کو تم حکم سمجھو یا درخواست سمجھ لو مگر اب انمول سے اس بارے میں کوئی بات نہیں کرنا، پہلے ہی تم نے بہت شرمسار کیا ہے مجھے اسکی نظروں میں۔ وہ اس رشتے کے لئے ہامی بھر چکی ہے۔ وہ لوگ جلدی شادی پر اصرار کر رہے ہیں اور میرے خیال میں بھی یہی بہتر ہو گا سب کے حق میں۔"

انہوں نے ختمی انداز میں کہتے ساری بحث سمیٹ دی تھی۔ براق مایوس ہوتا ایک جھٹکے سے اٹھ کھڑا ہوا۔ چہرے پر لاچارگی کے ساتھ اب اشتعال سا امڈنے لگا تھا۔

"یہ جتنی بھی باتیں ابھی کہی ہیں ناماما آپ نے سب جھوٹ تھیں، دکھاوا تھا، مجھے بہلانے کی کوشش۔ ورنہ سچ تو یہ ہے کہ آپ خود نہیں چاہتیں انمول اس گھر کی، آپ کی بہو بنے۔ کم ذات ہے نا۔ اب تک تو لوگ آپ کی واہ واہ کرتے تھے کتنی اچھی ہیں آپ نوکرانی کو بیٹی بنا کر رکھا ہے۔ مگر اب جب بہو بنانے کی باری آئی تو آپ سو حیلے بہانے بنا رہی ہیں۔ بہو آپ کو بھی اونچے حسب نسب کی چاہیے، اپنے ہم پلا۔ اور اب کیوں کہ آپ کو اسکی ضرورت نہیں رہی تو

اسے کسی بوجھ کی طرح سر سے اتار پھینکنا چاہتی ہیں آپ۔ اسی لئے اس رشتے کو اتنا پریفر کر رہی ہیں کہ اس طرح سے وہ آپ کے سر سے اتر بھی جائے گی اور ساری عمر آپ کی احسان مند بھی رہے گی کہ آپ نے اسکے لئے ہمیشہ کس قدر اچھا سوچا۔"

اپنے غم و غصے میں وہ جو منہ میں آیا بولتا چلا گیا تھا۔ ندرت نے اسے تاسف بھری نظروں سے دیکھا تھا۔ وہ کیسے لمحوں میں انکے تمام عمر کے خلوص کو بھلا بیٹھا تھا۔ انکے چہرے پر تکلیف کے آثار نمودار ہوئے تھے جنہیں وہ کمال مہارت سے سخت کھدرے سے تاثر تلے چھپا گئیں۔

"تمہیں جو سمجھنا ہے سمجھو۔ مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ میری نیت سے میرا رب واقف ہے میرے لئے اتنا ہی کافی ہے۔ تمہیں کوئی صفائی دینا میں اپنے جذبوں کی توہین سمجھتی ہوں۔"

کر ختگی سے کہتے وہ کرسی سے اٹھ کھڑی ہوتیں اسے وہیں کھڑا چھوڑ خود باہر نکل گئی تھیں۔ پیچھے کھڑے براق کو لگا تھا جیسے سب کچھ اسکے ہاتھ سے ریت کی مانند پھسل گیا ہو۔ اور وہ تہی داماں کھڑا ہو۔

. . . .

اگلی صبح کچن میں وہ ناشتہ بنا رہی تھی جب وہ اس کے سر پر آن کھڑا ہوا تھا۔ انمول نے چونک کر پیچھے دیکھا تھا۔ سرخ ڈوروں سے مزین رت جگے کی غماز آنکھیں اور بکھرے منتشر سے حلیے میں وہ اس کے سامنے کھڑا تھا۔ یہ وہ براق تو نہیں تھا جو ہمیشہ ٹپ ٹاپ رہنے کا عادی تھا۔ اس پر غصہ اپنی جگہ مگر اسے یوں دیکھ کر اسے برا الگ رہا تھا۔ پتہ نہیں یہ فتور اسکے ذہن میں کہاں سے آسمایا تھا۔

"تم نے رشتے کے لئے ہاں کر دی ہے۔"

وہ واپس مڑ کر کھولتے پانی می۔ں چائے کی پتی ڈالنے لگی تو وہ بے چینی سے پوچھ بیٹھا۔

"ہاں۔" بنا مڑے یک لفظی جواب دیا۔

"کیوں؟ یہ جانتے ہوئے بھی کہ میں کیا چاہتا ہوں۔ ایسا کیوں کیا تم نے انمول؟" وہ اس پر چاہ کر بھی غصہ نہیں کر پا رہا تھا۔ اب بھی آواز میں دھیما پن مگر اک چھبن سی تھی۔

"تم کیا چاہتے ہو کیا نہیں میرا اس سے کوئی سروکار نہیں ہے۔میں ایسا کچھ نہیں چاہتی۔"

کاؤنٹر پر ہاتھ جماتے وہ زور دیتی بولی تھی۔ نظریں ابلتی چائے پر ٹکی تھیں۔کچھ دیر کے لئے وہ بالکل خاموش ہو گیا تھا۔یہاں تک کہ اسے لگا وہ پلٹ گیا ہو۔انمول نے پلٹ کر دیکھا اور اسکی نگاہیں اسکے چہرے پر تھم سی گئیں۔

"یوں مت کرو انمول۔ایک تمہارا ہی آسرا ہے مجھے۔تم نہ کرو گی تو کس بنیاد پر اپنا مقدمہ لڑوں گا میں۔امی کی فکر مت کرو انہیں منا لوں گا میں۔بس تم انکاری مت ہو یار۔"

اسکے لہجے کی بے بسی، لفظوں میں چھپی التجا اور آنکھوں میں بسی بے چینی و اضطراب۔۔۔وہ کس کس سے اپنا دامن چھڑاتی، دل میں کرب کی اک لہر سی ڈور اٹھی، مگر اس سے قطع نظر وہ اسکے چہرے پر سے نظریں ہٹا گئی۔یہ مشکل تھا مگر ابھی ناممکن نہیں تھا۔

"میرا فیصلہ نہیں بدلے گا براق۔میں نے کبھی تمہارے بارے میں اس طرح سے سوچا نہیں۔تم میرے بھائی۔۔۔"

"نہیں ہوں میں تمہارا بھائی۔" اسکے الفاظ کاٹتے براق کی آواز اونچی ہو گئی تھی۔انمول کے نیم والبوں میں باقی الفاظ ٹوٹ سے گئے۔وہ دونوں ہاتھ مفاہمتی انداز میں اٹھائے آنکھیں بند کیے ،ایک گہرا سانس اندر کھینچتا اب خود کو سنبھال چکا تھا، تبھی جب بولا تو آواز ہموار اور قدرے دھیمی تھی۔

دیکھو انمول۔۔۔کہنے، سمجھنے اور ہونے میں بہت فرق ہوتا ہے۔تمہارے کہنے سے میں تمہارا بھائی نہیں ہو جاؤں گا۔تم نے کبھی ایسا نہیں سوچا لیکن میں نے ایک عرصہ ہوا بس یہی سوچا ہے۔تم اب سوچ لو۔میں بہت محبت کرتا ہوں تم سے یار۔بہت خوش رکھوں گا تمہیں ۔ماما کی فکر مت کرو انہیں میں کنوینس کر لوں گا۔"

"تم بار بار امی کو بیچ میں کیوں لا رہے ہو؟"

"کیوں کہ میں جانتا ہوں تم انہیں کی وجہ سے ایسا کہہ رہی ہو۔" دوبدو جواب آیا۔

"نہیں۔" اس نے پرزور تردید کی۔

"یہ میرا اپنا فیصلہ ہے۔" وہ بضد تھی۔

"تو تمہیں اپنا فیصلہ بدلنا ہو گا۔" مقابل بھی کم ضدی واقع نہ ہوا تھا۔

وہ اسکے باغی انداز دیکھتی اندر سے ڈری ضرور تھی مگر چہرے پر ہنوز سختی کا تاثر قائم رکھتے ،مزید بحث لا معنی جان کر بر نر بند کرتے وہ اسکے سامنے سے ہٹ جانے کو تھی جب اسکی کلائی پکڑ کر وہ اسے روک گیا۔ اور یہ سب اتنا اچانک اور غیر متوقع تھا کہ وہ ایک جھٹکا سا کھا کر واپس اپنی جگہ قدم جما پائی تھی۔

"تم اس طرح نہیں جا سکتی انمول۔ تمہارے پاس آج کا دن اور رات ہے سوچنے کے لئے۔ کل مجھے ہر صورت تمہارا جواب ہاں میں چاہیے اور۔۔۔ اور کل ہی ہم کورٹ میرج کر لیں گے ماما کچھ دن خفا ہوں گی پھر۔۔۔"

ایک زناٹے دار تھپڑ کی گونج وہاں سنائی دی تھی اور براق کے باقی کے الفاظ منہ میں ہی رہ گئے تھے۔ انمول کا ہاتھ پوری شدت سے اسکے دائیں گال پر پڑا تھا۔ اور اب وہ خود اپنی اس بے

ساختہ سر زد ہوئی حرکت پر ششدر سی آنکھوں میں بے یقینی اور ملامت لئے کھڑی اسے دیکھ رہی تھی۔

براق کی گرفت اسکی کلائی پر کمزور پڑی تھی، انمول نے اپنی کلائی اسکے ہاتھ سے آزاد کرتے غم وغصے سے بھری آنکھوں میں آنسو لئے اسے دیکھا تھا۔

"کچھ اندازہ بھی ہے تمہیں ابھی کیا بکواس کی ہے تم نے ؟ بس یہی سننا باقی تھا تمہارے منہ سے ۔پاگل ہو گئے ہو تم براق۔ اپنی بے جا ضد میں اپنی سدھ بدھ کھو بیٹھے ہو۔ کیا کرنے کا کہہ رہے ہو تم مجھے جانتے بھی ہو؟ تم چاہتے ہو تمہاری اس بے کار کی چند دن کی سستی جذباتیت سے مرعوب ہو کر میں اس عورت کے خلاف کھڑی ہو جاؤں جس کے احسانات کے نیچے میری ایک ایک سانس دبی ہوئی ہے۔ تمہارے پڑھائے سبق پر عمل کرتے میں دنیا کے لیے گالی بن جاؤں۔لوگ کہیں کیسی کم ذات تھی جس نے بیٹے کو ماں کے مقابل لا کھڑا کیا اس ماں کے مقابل جس نے مجھ جیسی جھگیوں میں پیدا ہونے والی کو ایک اچھی اور معیاری زندگی دی، ایسی زندگی جس کا میں تصور بھی نہیں کر سکتی تھی اور بدلے میں، میں نے اسی عورت سے اسکا بیٹا

چھین لیا۔ یہ ہے تمہاری محبت ؟جو مجھے دوسروں کی تو کیا میری ہی نظروں میں گرانے کے درپے ہے۔"

زہر خند لہجے میں کہتی وہ آنکھوں میں ڈھیروں ملامت اور ہیجان انگیزی لئے اسے سلگتی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ وہ اس پر ہاتھ اٹھا چکی تھی، وہ اسکی محبت، سچے اور پر خلوص جذبوں کو سستی جذباتیت سے تشبیہ دے رہی تھی، وہ اسے باور کروا رہی تھی اسکی تڑپ، اسکی تکلیف، اسے پانے کی لگن یہ سب اسکے لئے کوئی معنی نہیں رکھتا تھا۔ تو اب بھی وہ اس کے سامنے جھک کر گڑگڑا کر محبت کی بھیک مانگتا؟ یہ سوچ اس قدر تیزی سے اس کے دل و دماغ پر طاری ہوئی تھی کہ باقی ہر احساس، ہر جذبہ پس پشت چلا گیا تھا۔ جس پل اس نے آنکھیں اٹھا کر انمول کی طرف دیکھا تھا ان آنکھوں میں پنپتا نرم و گرم سا تاثر معدوم ہو چکا تھا، اک سرد مہری تھی جو انہیں یخ بستگی کا احساس بخشتی بے تاثر کر گئی تھی۔

اسکے تنے نقوش والے چہرے کو دیکھ کر وہ زخمی سے انداز میں مسکرایا تھا۔

انمول کو یوں لگا جیسے وہ ذہنی توازن کھو بیٹھا ہو۔

"تم سے محبت کرنا، تمہارے ساتھ کی چاہ کرنا میرا گناہ نہیں تھا انمول، مگر تم اب اسے میرا ناقابل معافی جرم گردان ہی چکی ہو تو سنو، براق انصاری کی محبت جتنی مرضی گہری ہو اتنی منہ زور کبھی نہیں ہو گی کہ اسے ذلتوں کے سودے کرنے پڑیں۔ میری محبت میرا مسئلہ ہے اور اپنے مسئلے میں خود سلجھالوں گا۔ تمہیں میں ابھی اور اسی پل اپنی محبت سے آزاد کرتا ہوں۔ تم جس سے چاہو اپنا نام، اپنی زندگی جوڑو۔ براق انصاری اب تمہارے لئے کسی سے نہیں لڑے گا۔ اس لیے نہیں کہ میں تمہیں جیت نہیں سکتا، بلکہ اس لئے کہ اب تمہیں میں جیتنا نہیں چاہتا۔ میرے نزدیک ایک ایسی عورت کا حصول بے معنی ہے جو میرے جذبوں کی قدر دان نہ ہو، جسے میری محبت سستی جذباتیت لگے اور جسے میری تڑپ کی کوئی پرواہ نہ ہو۔"

ایک ایک لفظ چبا کر کہتا وہ ایک آخری تند و تیز نگاہ اس پر ڈالتا پلٹ کر وہاں سے نکلتا چلا گیا۔

پیچھے وہ سن سی کھڑی رہ گئی تھی۔ اندر بہت دور کہیں کچھ بدلا تھا، کچھ تھا جو اک چھناکے سے ٹوٹا تھا۔ کچھ کھو دینے کا احساس، کوئی بے نام سی بے کلی۔ ماتھے پر آئے پسینے کو صاف کرتی وہ بے

دلی سے دوبارہ ناشتہ بنانے کی سعی میں جٹ گئی تھی۔اسکے سانولے رنگ میں کوئی سیاہی سی پھیلتی چہرے کی ساری چمک نگل گئی تھی۔

. . . .

"بھائی کھانا کھالیں۔"

امل اسکے دروازے پر کھڑی تھی،ہاتھ میں کھانے کی ٹرے تھی۔

"میں نے ہوسپٹل کیفیٹریا سے کھالیا تھا۔اب بھوک نہیں ہے۔"

جس قطعی پن سے اس نے کہا تھا امل دل مسوس کر رہ گئی۔ایسا پچھلے تین چار دن سے چل رہا تھا۔وہ کسی سے بات نہیں کر رہا تھا۔کھانا بھی گھر سے نہیں کھاتا تھا۔صبح جلدی نکل جاتا،رات دیر سے واپس آتا۔ندرت اسکے سبھی انداز خاموشی سے ملاحظہ کر رہی تھیں،اسے سنبھلنے کو کچھ وقت درکار تھا،ابھی کوئی بھی بازپرس معاملے کو مزید بگاڑ دیتی۔انمول کی شادی کی

تیاریاں شروع ہو چکی تھیں۔ایک دو بازاروں کے چکر بھی لگ چکے تھے، مگر گھر کے ماحول میں پھیلی سوگواریت جہاں کی تہاں تھی۔

پہلے انمول اس سے بات نہیں کرتی تھی اب وہ تھا کہ اسکی طرف دیکھنا گوارا نہیں کر رہا تھا ۔گھر پر کھانا بنانے کی ذمہ داری انمول کی تھی اس نے گھر سے کھانا کھانا ترک کر دیا تھا۔آج صبح کا ہی واقعہ تھا۔وہ ہاتھ میں اپنی بلیو شرٹ لئے امل کو آوازیں دیتا سیڑھیوں سے نیچے سے نیچے اتر رہا تھا۔انمول وہیں دیوار کی ایک سائیڈ پر لگے استری اسٹینڈ پر ندرت کی لون کی سفید چادر پریس کر رہی تھی۔اسے دیکھ کر ہاتھ روک دیے جو ایک اچٹتی نگاہ اس پر ڈال کر یوں نظر انداز کر گیا تھا جیسے وہ وہاں کوئی وجود ہی نہ رکھتی ہو۔

امل کمرے سے باہر عجلت میں نکلی تھی۔چہرے پر پانی کی بوندیں چمک رہی تھیں یعنی کہ وہ ابھی ابھی جاگی تھی۔

"جی بھائی۔"

اسکی اس چپ اور لئے دیے انداز سے آج کل گھر کا ہر فرد خائف رہنے لگا تھا۔

"میری شرٹ استری کر دو۔"

شرٹ اسکی طرف بڑھائی، امل نے عجیب سے انداز میں اس کے ہاتھ میں پکڑی شرٹ دیکھی ، پھر اسکا سنجیدہ چہرہ اور آخر میں استری اسٹینڈ پر کھڑی انہی کی طرف متوجہ انمول کو۔ بھلا وہ کب اسکے کپڑے پریس کرتی تھی۔ اسکا اچنبھا تو بنتا تھا۔

"لاؤ مجھے دو میں کر دیتی ہوں۔" پیچھے سے انمول کی مدھم سی آواز سنائی دی تھی۔ بنا نام لئے بھی وہ جانتا تھا وہ اسی سے مخاطب ہے۔

"تم کر دو گی یا میں کوئی اور شرٹ پہن لوں؟"

اسکی بات کو مکمل نظر انداز کیے وہ امل سے کہہ رہا تھا۔ احساس خفت سے انمول اپنے لب کاٹتی پلٹ کر ندرت کی چادر پر استری کرنے لگی تھی۔ پتہ نہیں کیوں آنکھوں میں مرچیں سی چھبنے

لگی تھی۔ براق کی ایسی بے رخی، یوں نظر انداز کیا جانا یہ سب اسکے لئے نیا تھا اور شاید نا قابل قبول بھی۔ اسے عادت نہیں تھی اور نئی عادتیں بننے میں کچھ وقت تو لگتا ہے۔

"میں کر دیتی ہوں۔" امل نے گڑبڑا کر کہتے اسکے ہاتھ سے شرٹ لے لی تھی۔

"خود کرنا۔"

جانے سے پہلے تنبیہ خاص کی گئی وہ بے دلی سے سر ہلا گئی۔ خود وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا واپس سیڑھیاں چڑھ گیا تھا۔ امل نے بے بسی بھری کوفت سے شرٹ کو دیکھا، تیز تیز چلتی وہ انمول کی طرف آئی تھی۔

"آپی میں یہ پہلے کر لوں کیا؟ مجھے یونی جلدی جانا ہے آج۔ پہلے ہی دیر ہو گئی ہے۔"

وہ تیز تیز بولتی کہہ رہی تھی۔ انمول نے ہاتھ آگے بڑھایا۔

"مجھے دے دو میں کر دیتی ہوں۔"

"لیکن بھائی نے تو کہا ہے۔۔۔۔۔"

وہ کچھ متذبذب سی تھی۔

"اسے کیا پتہ چلے گا امل۔میں کر دیتی ہوں تم تب تک چینج کر لو پھر اسے کمرے میں دے آنا
"۔

اس نے سیدھا اور آسان سا حل بتایا تھا۔کوئی اور وقت ہوتا تو امل سوچتی مگر اس وقت سوچنے کا بھی ٹائم نہیں تھا۔متفق پن سے سر ہلاتی وہ شرٹ اسے دے کر خود کمرے میں بھاگی تھی۔

ندرت کی چادر تو پریس ہو ہی چکی تھی۔تیزی سے ہاتھ چلاتے آخری کونے کی شکنیں نکال اسے سائیڈ پر رکھا تھا اور اسکی شرٹ پھیلائی تھی۔جلدی سے پریس کرتے وہ امل کو آواز دینے کے لئے جو ہی مڑی تھی وہ اسے ایک بار پھر سیڑھیاں اترتا دکھائی دیا تھا۔اپنی پریس شدہ شرٹ اسکے ہاتھ میں دیکھ کر اسکے چہرے کے تاثرات پل میں بدلے تھے۔چہرے پر سختی اور کٹھورپن لئے اسکی آنکھوں سے نکلتی تپش نے اس لمحے انمول کے دل کو بھی سہما دیا تھا۔

"وہ امل کو یونی سے دیر ہو رہی تھی تو میں۔۔۔" وہ پتہ نہیں اپنی صفائی دے رہی تھی یا امل کی ۔ مگر وہ تیر کی تیزی سے آگے بڑھا تھا۔ اسکے ہاتھ سے شرٹ جھپٹنے کے انداز میں لی تھی۔ ایک سلگتی نگاہ اسکے پھیکے پڑتے چہرے پر ڈالی تھی اور اگلے پل وہ مڑ گیا تھا۔ اسکا رخ سیڑھیوں کے بجائے کچن کی طرف دیکھ کر کسی انجانے سے احساس کے تحت وہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی ، دھڑکتے دل کے ساتھ اسکے پیچھے گئی تھی۔ کچن کی دہلیز پر اسکے قدم رک سے گئے تھے۔ وہ بے یقینی بھری پھٹی آنکھوں سے سامنے کا منظر دیکھ رہی تھی جہاں وہ فرش پر شرٹ گرائے پاس پیروں پر وزن ڈالے بیٹھا ہاتھ میں ماچس کی تیلی جلائے، اس سے نکلتی چنگاری سے شرٹ کو جلا رہا تھا۔ چند سیکنڈز میں ہی شرٹ جلتی کالا دھواں چھوڑنے لگی تھی۔ اور کچھ ایسا ہی دھواں دھواں دروازے پر کھڑی انمول کا چہرہ بھی ہو رہا تھا۔

بھینچے ہوئے جبڑوں کے ساتھ وہ اٹھ کر کھڑا ہوا تھا۔ ہاتھ میں پکڑی ماچس کی ڈبی شیلف کی جانب اچھالی، اور آنکھوں سے کچھ ویسی ہی لپکتی چنگاریوں کے ساتھ دروازے میں بت بنی

کھڑی انمول کا فق ہوا چہرہ دیکھا جو بے یقینی بھرے صدمے کے زیر اثر جلتی شرٹ کو دیکھ رہی تھی۔

"آپی آپ یہاں کھڑی ہیں شرٹ کہاں۔۔۔" دھیمی مگر عجلت بھری آواز میں کہتی امل اسکی طرف آئی تھی اور جیسے ہی نظر کچن کے اندر کے منظر پر پڑی اسے چند پل لگے تھے ساری صورت حال اپنے ذہن میں پروسیس کرنے اور پھر سمجھنے میں۔ دنگ سی ہونٹوں پر ہاتھ رکھے وہ کبھی بھائی کا سرخ پڑتا چہرہ دیکھ رہی تھی تو کبھی جل کر راکھ ہوتی شرٹ کو جس کی جلنے کی بدبو بھی اب فضا میں رچنے بسنے لگی تھی۔

ان دونوں کو یوں ہی کھڑا چھوڑ کر وہ کنی کتراتا سپاٹ چہرہ لئے انکے پاس سے گزرتا باہر نکل گیا تھا۔

انمول کے گالوں پر نجانے کب آنسو بہنے لگے تھے اسے پتہ بھی نہیں چلا تھا۔ اتنی نفرت، اتنی بے زاری۔۔۔ کہ وہ اپنی فیورٹ شرٹ تک اسکے ہاتھ لگنے کے باعث جلا کر خاکستر کر گیا تھا۔

"آئی ایم سوری آپی۔ یہ میری وجہ سے ہوا۔ کاش میں خود ہی کر دیتی تو یہ سب نہ ہوتا۔" اسکے بھیگے گال دیکھ کر امل نے شرمندگی سے کہا تھا۔ انمول جیسے چونک کر ہوش میں آئی تھی۔ پلکیں جھپک کر گالوں پر بہتی نمی ہاتھ کی پشت سے صاف کرتی وہ سرعت سے آگے بڑھی تھی۔

"یہ صاف کرنا ہو گا۔ امی کو پتہ نہیں چلنا چاہیے۔"

نمناک آواز میں کہتے آگے بڑھ کر وہ جلتی شرٹ کے پاس نیچے دوزانو بیٹھتی غائب دماغی سے ہاتھ بڑھانے کو تھی جب تیزی سے پیچھے آتی امل نے اسکا بازو پکڑ کر روک لیا تھا۔

"پاگل ہو گئی ہیں آپی ہاتھ جل جائے گا آپکا۔ پہلے آگ بجھا تو لینے دیں۔" امل نے اسے تاسف سے دیکھتے سخت آواز میں سرزنش کی تو وہ پانیوں سے لبریز پلکیں اٹھا کر اسے بے چارگی سے دیکھنے لگی تھی۔

"وہ مجھے اپنی نفرت سے جلا رہا ہے امل۔اسے کہو یوں مت کرے۔مجھے عادت نہیں ہے اس کے ایسے سرد رویوں کی۔"گلوگیر آواز میں کرب لئے اس نے آنکھیں میچ ڈالیں۔لمحوں کی خطا تھی وہ اپنی کمزوری امل پر عیاں کر گئی تھی۔امل نے اسے بازوؤں کے گھیرے میں لیتے خود سے لگایا تھا۔اور اس کا سہارا پا کر وہ اور بھی شدت سے رونے لگی تھی۔امل اسکی پشت سہلاتی رہی تھی۔یہ سب دیکھ کر اسے بر الگ رہا تھا انمول پر کیا بیت رہی ہو گی وہ اندازہ بھی نہیں لگانا چاہتی تھی۔

کچھ دیر بعد وہ خود ہی سنبھل کر نظریں چراتی اس سے الگ ہوئی تھی۔

"یہ صاف کر لیتے ہیں۔"وہ کہتی سامنے سے اٹھ گئی تھی۔اگلے تین چار منٹ میں وہاں سے دونوں نے مل کر صفائی کر دی تھی۔مگر دل کے آئینوں پر در آنے والی میل اتنی آسانی سے صاف نہیں کی جا سکتی تھی۔

اب بھی اسے دیکھ کر امل کو صبح والا واقعہ پورے شد و مد کے ساتھ یاد آیا تھا۔وہ شاید اس سے بھی خفا تھا۔

"بھائی میں نے خود آپ کے لیے کھانا بنایا ہے۔اب بنا کھائے میری اتنی محنت ضائع کریں گے آپ؟"کچھ روہانسی سی ہو کر کہتی وہ اس کے پیچھے پیچھے کمرے میں داخل ہوئی تھی۔وہ اس سے پانچ سال بڑا تھا مگر اسکی دوستانہ طبیعت اور نرم مزاجی کے باعث کبھی اس سے ڈر نہیں لگا تھا ،برہان سے پھر کبھی سختی سے پیش آجایا کرتا تھا مگر اسے تو کبھی سختی بھرا اک لفظ نہیں کہا تھا ۔پہلی بار اسے اس قدر جلالی انداز میں دیکھ کر وہ اس سے خائف ہوئی تھی۔

صبح کے واقعے کے بعد اسکے اور انمول کے درمیان کی چپقلش کوئی ڈھکی چھپی نہیں رہی تھی ۔شام میں انمول نے اسے براق کے لئے ایک آدھ ڈش بنانے کا کہا تھا۔تاکہ کم از کم وہ گھر پر کھانا تو کھائے۔اسی کے کہنے پر امل نے بھنڈی بنائی تھی جو براق کو بے حد پسند تھی۔

امل اسکے پاس بیڈ پر بیٹھتے اپنے اور اسکے درمیان ٹرے رکھ کر اب آس بھری نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی جیسے اب تو وہ انکار کر ہی نہیں سکتا۔اور بھائی تو ہوتے ہی وہی ہیں جو بہنوں

کے مان رکھ لیتے ہیں۔ بھوک نہ ہونے کے باوجود وہ ایک گھٹنہ موڑ کر بیٹھتے خاموشی سے کھانے کی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔ امل کے لئے فلحال یہی کافی تھا۔

....

اس رات چاہ کر بھی وہ سو نہیں پا رہی تھی۔ زندگی میں کچھ باتیں ہمارے ساتھ غیر متوقع طور پر وقوع پزیر ہو جاتی ہیں اور وہ زیادہ پر اثر ثابت ہوتی ہیں۔ آج سے ایک ڈیڑھ ہفتہ پہلے تک اسکی زندگی میں راوی سب چین ہی چین لکھ رہا تھا اور پھر اس ٹھہرے پانیوں کے سے سکوت میں براق کا پھینکا ایک کنکر منتشر لہروں کا ایسا جال بنتا گیا کہ ایک بھونچال سا آ گیا۔ وہ ششدر رہ گئی تھی جب اس نے اس سے شادی کی اچانک سے بات کی تھی۔ پتہ نہیں یہ فتور اس کے ذہن و دل میں کب سے آسمایا تھا اور وہ انجان رہی تھی۔ جان بھی کیسے پاتی اس نے کبھی اپنی کسی بھی حرکت سے یہ جتایا ہی کب تھا؟ وہ شروع سے ایسا تھا جس کے بارے میں پیش گوئی کرنا

ناممکن ہوتا تھا۔وہ کیا سوچتا ہے، کیا چاہتا ہے یہ صرف وہ جانتا ہے۔دوسرے تب تک نہیں جان پاتے جب تک وہ انہیں جاننے کا موقع نہ دے۔

اور اب اسکی ناراضگی اور سرد مہری، اس سے غصہ ہونا اپنی جگہ ،وہ خفا بھی تھی مگر یہ سچ تھا اس کے یہ کٹیلے انداز اسے بری طرح سے گھائل کر رہے تھے۔وہ اس کے لئے اب بھی دل میں نرم گوشہ رکھتی تھی۔باوجود اس کے کہ اسکی حرکت نے اسے بہت مایوس کیا تھا مگر وہ اسے پھر بھی معاف کر سکتی تھی۔

تھک کر کروٹ کے بل لیٹتے اس نے ساتھ سکون سے سوئی امل کو ڈم لائٹس کی نیلی روشنی میں دیکھا۔پھر ایک گہرا سانس خارج کرتے آہستگی سے اٹھ بیٹھی۔لحاف اتار کر پاؤں نیچے کرتی وہ بستر سے نکل کر باہر آئی تھی۔رخ کچن کی طرف تھا۔نیند نہ آنے اور مسلسل سوچوں کے دھاگے سلجھانے سے سر دکھنے لگا تھا۔چائے کی شدید طلب جاگ اٹھی تھی۔

کچن میں داخل ہونے سے پہلے اس نے اسے اندرونی دروازے سے اندر داخل ہوتے دیکھا تھا ۔اسے دیکھ کر صبح کا واقعہ پھر سے ذہن میں تازہ ہوا تھا۔ دل ہلکے سے خوف کا شکار ہوا تھا ۔بلیک کرتا شلوار پہنے وہ اسے دیکھ کر ایک پل کو چونکا اور پھر سنبھلتا ہوا آگے بڑھتا چلا گیا۔

"براق ؟"

سیڑھیوں کے پاس اسکی آواز پر وہ رکا تھا مگر پلٹ کر نہیں دیکھا۔

"تم کہاں تھے اس وقت ؟" وہ پوچھے بنا نہیں رہ سکی۔

"تمہیں جواب دہ نہیں ہوں میں۔"

کھدرا سا انداز۔ اکھڑا سا لہجہ۔ مگر وہ نظر انداز کر گئی۔ بات کرنا ضروری تھا۔

"کیوں کر رہے ہو ایسا۔ امی تمہاری وجہ سے کس قدر پریشان ہیں کچھ اندازہ بھی ہے تمہیں۔"

اسکے بدلے انداز سے قطعی نظر وہ بے چارگی سے بولی تھی۔ براق نے اس بار پلٹ کر اسے دیکھا۔ آنکھوں میں شکایت سی آن سمٹی۔ انمول نجانے کیوں نظریں چرا گئی۔

"اس گھر میں سب اپنی مرضی کے مالک ہیں۔ جسے جو جی چاہتا ہے وہ وہی کرتا ہے بس سارے قاعدے قانون میرے لئے رہ گئے ہیں۔ ایک میں ہی ہوں جو اپنی مرضی سے کھلی ہوا میں ذرا دیر چین کی سانس تک نہیں لے سکتا۔"

وہ پتہ نہیں کیوں شکوہ کر گیا تھا۔ حالانکہ اس نے سوچ لیا تھا وہ اب اس سے کوئی بات نہیں کرے گا۔

"باقی سب کی سانسیں دوبھر کر کے تم چین کی سانس لے بھی کیسے سکتے ہو؟" انمول کے منہ سے بے اختیار نکلا تھا۔ براق زخمی سے انداز میں مسکرایا۔

"میری ایک بے ضرر سی خواہش کو تم لوگوں نے خود اپنی سانسیں دوبھر کرنے کا سامان بنالیا ہے۔ میں کیا کر سکتا ہوں اب۔" کندھے اچکا کر لاعلمی کا اظہار کیا۔ رات کے ایک بجے وہ

دونوں یوں روبرو کھڑے تھے۔ صبح کی ساری تلخی اس رات کی پچھلی تاریکی میں کہیں گھم ہو گئی تھی۔اسے دیکھتے ہوئے احساس ہوا تھاوہ زیادہ دیر اس سے خفارہ بھی تو نہیں سکتا تھاوہ بھی اس صورت جب وہ خود اسکو پکار بیٹھی ہو۔کچھ پکاریں ہوتی ہیں جن پر لبیک کہنا انسان کا دل اس پر فرض کر دیتا ہے۔انمول کی پکار براق کے لئے وہی ایک پکار تھی۔ دل ناراض ہو کر بھی لبیک کہنے سے دریغ نہیں کر پایا۔

اس کے کسی ضدی بچے جیسے انداز پر انمول اس بار مسکرائی تھی۔

"تم اب بھی بچے ہو براق۔ تمہیں سمجھ نہیں لگ رہی تم چاہتے کیا ہو اور کر کیا رہے ہو۔یاد ہے ایک بار میں تم سے ناراض ہو گئی تھی اور میں نے تمہیں دھمکی دی تھی میں یہاں سے چلی جاؤں گی۔تم اسکول گئے تھے واپس آئے تو میں اماں ابا ساتھ چلی گئی تھی۔اور تمہیں لگا میں تم سے ناراضگی کی وجہ سے گھر چھوڑ کر چلی گئی ہوں۔ تمہیں بخار ہو گیا تھا۔اگلے ہی دن امی مجھے واپس لے آئی تھیں حالانکہ انہوں نے ہی مجھے تین چار دن رہنے بھیجا تھا۔میں واپس آئی تو تم نے کس قدر فخر سے مجھے اپنا کارنامہ بتایا تھا کہ تم نے اس کڑاکے کی سردیوں میں برف والا یخ

ٹھنڈا پانی پی پی کر اور سو جتن کرتے اپنا گلہ خراب کیا تھا۔ تاکہ امی تمہارا خیال رکھنے کے لئے مجھے واپس لے آئیں۔" وہ اسے کچھ یاد دلا رہی تھی اور وہ یک ٹک اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ آگے کیا کہنے جا رہی تھی اندازہ لگانا مشکل نہیں تھا، ندرت کی طرح وہ بھی اس کے احساسات کو غلط معنی پہنا رہی تھی۔ نرم سا تاثر آنکھوں میں لئے اسے دیکھتی کچھ پلوں کے سکوت کے بعد پھر سے گویا ہوئی۔

"اور تم اب بھی وہی کر رہے ہو۔ میں جا رہی ہوں تو پھر سے مجھے روکنے کی کوشش۔ لیکن اس بار کی یہ کوشش میرے لئے دل آزاری کا باعث بن گئی ہے براق۔ مجھے سمجھ نہیں آ رہا میں اس پر غصہ ہوں، تمہیں سمجھاؤں یا کہیں دور بھاگ جاؤں۔ لیکن یہ بھی سچ ہے میں تمہیں یوں بھی نہیں دیکھ سکتی۔ اس لئے یوں مت کرو۔ میری شادی ہو بھی جائے گی تو میرا اس گھر سے ،تم سب سے تعلق ویسے ہی رہے گا۔ میں آیا کروں گی تم مجھے چڑانا، اور تمہاری بھی تو شادی ہو جائے گی، لائبہ آ جائے گی تمہاری زندگی میں تو کچھ عرصے بعد تم خود اپنی اس حرکت پر بیٹھ کر

ہنسو گے۔ بلکہ میں خود تمہیں وقت بے وقت یاد دلایا کروں گی کہ تم کیا بیوقوفی کرنے جا رہے تھے۔"

وہ خود ہی اپنی بات پر دھیما سا ہنسی تھی۔ براق کی آنکھوں میں دور تک ویرانی سی پھیلتی چلی گئی ۔دل میں کوئی ٹھیس سی جاگی تھی مگر وہ نظر انداز کر گیا۔ اس لمحے انمول کے چہرے پر پھیلا اپنی خود ساختہ سوچوں کا اطمینان اسے بے اطمینان کر رہا تھا۔ مگر پھر وہ اس مرحلے سے بھی گزر گیا۔ اپنوں کے دل ہلکے کرنے کے لئے کبھی کبھی ہمیں اپنے دلوں کا بوجھ بڑھانا پڑتا ہے۔

اس نے ختمی فیصلے پر پہنچ کر نچلا لب دانتوں سے کاٹتے چھوڑ، سر کو ذرا سی جنبش دی تھی۔

"تم شاید ٹھیک کہہ رہی ہو انمول۔ مجھے واقع ہی اندازہ نہیں ہے میں کیا چاہتا ہوں؟ مجھے تم سے محبت ہے اسے اب تم کسی بھی پیرائے میں لو۔ میرے جذبے تمہارے لئے پاک ہیں، میری نظروں میں تمہارے لئے تعظیم ہے۔ میں نے تمہیں کبھی ایسی نظر سے نہیں دیکھا، نہ سوچا کہ مجھے شرمساری ہو۔ لیکن وہ تو اس گھر کا ہر فرد ہی تم سے محبت کرتا ہے۔ میرا تمہاری شادی کو لے کر ری ایکشن شاید زیادہ شدت پسندی لئے ہوئے تھا۔ میں تمہیں ہمیشہ اپنے ارد گرد ہی

دیکھنے کا خواہاں ہوں تو مجھے اسکے لئے ایک یہی راستہ سجھائی دیا۔ مگر تم اپنی سوچ اپنے عمل میں آزاد ہو، اگر تم ایسا نہیں چاہتی تو مجھے تمہارے فیصلے کی قدر کرنی چاہیے اور اسکا احترام بھی۔ اور میں ایسا ہی کروں گا۔ اگر تمہیں میری کسی بھی بات سے دکھ پہنچا ہو تو آئی ایم سوری۔"

دل پر بڑی سی سل رکھے وہ بظاہر بہت پر سکون سا بولتا چلا گیا۔ اور اسکے منہ سے نکلنے والا ہر ایک لفظ انمول کے چہرے کی تازگی بحال کرتا گیا۔ اسکے اندر کا سکون اسکے چہرے پر صاف نظر آنے لگا تھا۔ وہ اسے پر نم آنکھوں سے دیکھتی پورے دل سے مسکرائی۔ جواب میں وہ زبردستی ہونٹوں کو مسکراہٹ میں ڈھالتا پلٹ جانے کو تھا۔

"ایک آخری بات؟"

انمول کی عجلت میں ڈوبی پکار پر وہ پھر سے رک گیا۔

"امی کو لائبہ کے لئے ہاں کر دو پلیز۔"

لہجے میں التجا لئے وہ کہہ رہی تھی۔ اور وہ یک ٹک اسکی آنکھوں میں جلتی قندیلوں کی امید بھری لو دیکھتا رہ گیا۔ وہ اسے آزمارہی تھی اور بے طرح آزمارہی تھی۔

اگلے دن صبح ناشتے کی میز پر وہ بہت دنوں بعد سب کے ساتھ موجود تھا۔ اور اسکی موجودگی سب کے لئے خوش آئند تھی۔

"ماما آپ لائبہ کے لئے میرے پروپوزل کی خالہ سے بات کرلیں۔ میں انگیجمنٹ کے بعد انگلینڈ جانا چاہتا ہوں۔"

اپنے لئے ٹوسٹ پر جیم پھیلاتے بہت دنوں بعد پرسکون نظر آتا، وہ کس قدر نارمل سا کہہ رہا تھا حیرت کا شدید جھٹکا تھا جو وہاں موجود ہر فرد کو لگا تھا۔ برہان کا کھلا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا تھا ۔ امل نے نوالہ توڑتے ہاتھ روک کر اسے دیکھا تھا اور کچھ کم حیرانگی ندرت کو بھی نہیں ہوئی تھی مگر وہ اسے چھپا گئی تھیں۔

"جیتے رہو، خوش رہو۔ میں آج ہی سعدیہ سے بات کرتی ہوں۔"

ندرت نے ہاتھ بڑھا کر اسکا شانہ تھپتھپایا تھا۔

ڈائینگ ہال کے باہر کھڑی انمول کے قدم وہیں تھم گئے تھے۔ وہ خوش تھی وہ آگے بڑھ رہا تھا پھر مطمئین کیوں نہیں تھی؟ کچھ تھا جو کھٹک رہا تھا۔

"تم مانو یا نہ مانو امل بگ برو کے دماغی پرزے ہل چکے ہیں۔ کل تک وہ آپی کے لئے تن من کی بازی لگانے کو تیار تھے ایسے لگتا تھا جیسے کسی جنگجو کی طرح ہر ایک سے ٹکرا جائیں گے۔ آپی اور امی کے انکار پر کیسے جلے توے پر جا بیٹھے تھے۔ مجھے بھی کاٹ کھانے کو دوڑ رہے تھے اور اب دیکھو ایک ہی رات میں کایا پلٹ گئی ہے۔ جیسے انکے سر پر کل رات تک کوئی جن سوار تھا اور صبح ہونے سے پہلے اس نے کہا ہو۔ جا براق انصاری جی لے اپنی زندگی۔"

براق اور ندرت کے ٹیبل سے اٹھ کر جانے کے بعد موقع ملتے ہی یہ برہان تھا جس کا تبصرہ بھی اپنی نوعیت کا آپ ہوتا تھا۔

"شکر پڑھو، گھر کا ٹینس ماحول نارمل ہو رہا ہے۔" امل نے اسے گھورا۔

برہان نے سر جھٹکا تھا۔

"یہ نارملیٹی کچھ ہضم نہیں ہو رہی مجھ سے۔"

وہ مشکوک تھا۔

"مطلب کل تک وہ آپی کی محبت کے دعویدار تھے اور اب یوں اچانک سے۔۔۔۔"انمول کو دیکھ کر اسکے باقی کے الفاظ منہ میں ہی رہ گئے تھے۔شرم و اہانت کا شدید شکار ہوتے اسکے چہرے کی رنگت متغیر ہوئی تھی۔امل اور برہان اس کے لئے بچے تھے اور انکے درمیان اسکی ذات یوں،اس انداز میں موضوع بحث بن جائے گی یہ تو اس نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا۔

چپ چاپ ان کے آگے سے برتن سمیٹتی وہ مڑ گئی تو اپنی جگہ خفت کا شکار برہان نظریں اٹھاتے گردن گھما کر اسے جاتا دیکھنے لگا۔

"آپی کو برا لگا شاید؟"امل نے اسکے کندھے پر اچھا خاصا تھپڑ رسید کیا تھا

"تو کیا نہیں لگنا چاہیے۔ تم اس طرح انکی ذات کو موضوع بحث بنا رہے ہو آف کورس انہیں آکورڈ فیل ہو رہا ہو گا۔ اور یاد ہے ناں ماما نے کیا کہا ہے اس بارے میں ہم میں سے کوئی بھی بات نہیں کرے گا۔ باہر کے کسی بندے کو پتہ نہیں چلنا چاہیے اور خاص کر کے آپی کے سسرال والوں میں سے کسی کو۔ سمجھ آیا؟"

اس کے حملے پر وہ کچھ بدمزہ ہوتا کندھا سہلاتے سر اثبات میں ہلا گیا تھا۔

. . . .

دن پر لگا کر اڑتے جا رہے تھے۔ براق کے نارمل انداز اور انمول کی شادی کی تیاریوں میں سرگرم ہونا ندرت کے لئے باعث اطمینان تھا۔ انمول کی بارات کے دن ہی براق اور لائبہ کی منگنی ہونا طے قرار پائی تھی۔ ندرت انمول کی شادی میں کسی قسم کی ذرا برابر بھی کمی نہیں رہنے دینا چاہتی تھیں۔ اسکی ہر چیز انہوں نے بہت چاہ سے بنائی تھی۔ بالکل اپنی سگی اولاد کی طرح۔ اسکا جہیز، زیور، کپڑے کہیں کوئی کمی نہیں رہنے دی۔ جو بھی دیکھتا، دیکھتا رہ جاتا۔ ان دنوں روز رات کو گھر میں لڑکیوں کا جھمگھٹا سا لگ جاتا، ڈھولکی رکھی جاتی، رات دیر تک

لڑکیاں شغل میلا لگائے رکھتی تھیں۔وہ بھی ایک ایسی ہی رات تھی۔بارہ بجے کے قریب ندرت نے ان کی محفل برخاست کروائی تھی۔اور اب لاؤنج میں سکون کا عالَم تھا۔اتنے شور شرابے میں براق کو سر درد ہونے لگا تھا۔انمول کو تین دن سے مایوں بٹھا دیا گیا تھا۔اس لئے گھر کے کاموں سے اسے مکمل چھٹی ملی ہوئی تھی۔ایک میڈ کا انتظام کیا گیا تھا مگر رات کو وہ بھی واپس چلی جاتی تھی۔

وہ کمرے سے نکل کر کچن کی طرف آیا تھا۔ارادہ اپنے لئے چائے بنانے کا تھا۔پہلے سوچا امل سے کہہ کر بنوا لے مگر پھر اسکی تھکن کا احساس کرتے خود ہی بنانے کا تہیہ کیا۔

"کیا کر رہے ہو؟"

ابھی اس نے چائے کے لئے پانی رکھا ہی تھا کہ پیچھے سے انمول کی آواز پر چونکے بنا نہ رہ سکا۔

سادہ سے پیلے جوڑے میں سر پر دوپٹہ لئے وہ دوستانہ مسکراہٹ لئے کچن کی چوکھٹ پر کھڑی تھی۔ سبز کناری والے دوپٹے کے ہالے میں اسکا سادہ چہرہ کسی بھی آرائش سے بے نیاز تھا مگر پھر بھی سانولا رنگ کچھ الگ ہی چمک لئے ہوئے تھا۔

براق اسے تین دن بعد دیکھ رہا تھا۔ دل کی دھڑکن اتھل پتھل ہوئی ضرور تھی مگر وہ نظریں پھیر گیا۔ یہ چہرہ اب اسکے لیے شجر ممنوعہ کی حیثیت اختیار کر گیا تھا، گریز اب واجب تھا۔

"چائے بنا رہا ہوں۔ روز رات کو جو میلا لگایا ہوتا ہے تم لوگوں نے۔ سر درد کرنے لگتا ہے۔"

گردن موڑ کر واپس چائے کے پانی کو دیکھتے کہا۔

"شادی بیاہ میں یہ سب تو چلتا ہے۔ تمہاری شادی پر تو اس سے بھی ڈبل رونق لگایا کریں گے ہم ۔ خیر ہٹو تم میں بنا دیتی ہوں۔"

اسکی طرف بڑھتے کہتی وہ ساتھ اکھڑی ہوئی تھی۔

"امی سے ڈانٹ پڑواؤ گی کیا۔ تم سے چائے بنواؤں؟"

"ارے نہیں پڑتی ڈانٹ۔بیٹھ جاؤ وہاں کرسی پر جاکر۔شادی سے پہلے میرے ہاتھ کی آخری چائے ہی سہی۔پھر تو ترسو گے تم اس ذائقے کے لئے۔"

وہ اوپر کیبنٹ سے چائے اور چینی کے جار نکال رہی تھی۔براق نے ایک اچٹنی سی نگاہ اس پر ڈالی تھی۔

"ترسنا تو بہت چھوٹا سا لفظ ہے۔تم تو مجھے میری متاع حیات سے محروم کرنے جا رہی ہو انمول؟ اور مجھے دیکھو کیسے ہر گزرتے پل کے ساتھ تمہیں اپنی دسترس سے باہر جاتا دیکھ رہا ہوں مگر کچھ کر نہیں پا رہا۔کاش تم مجھے سمجھتی۔۔۔"

اسے یوں اپنی طرف دیکھتا سوچوں میں گم پا کر انمول نے اسکی آنکھوں کے سامنے ہاتھ لہرایا تھا

۔

"کہاں کھو گئے؟"

آگے بڑھ کر فریج میں سے دودھ نکالتے وہ ساتھ کچھ کھانے کو بھی تلاش کر رہی تھی۔

"کباب فرائی کر دوں ساتھ ؟"

اسکے کوئی جواب نہ دینے پر وہ خود ہی میں مگن پوچھ رہی تھی۔

"کر دو جو کرنا ہے۔"

براق کا دل اک دم سے ہر شے سے اچاٹ ہونے لگا تھا۔

کچھ دیر بعد وہ دونوں وہیں کچن میں رکھی کرسیوں پر بیٹھے چائے پی رہے تھے۔

"میری بات ماننے کے لئے شکریہ۔"

اچانک سے انمول کے کہنے پر براق نے چائے کا سپ لیتے اسکی طرف دیکھا تھا۔

"کون سی بات ؟" کپ میز پر رکھتے وہ پوری طرح اسکی طرف متوجہ تھا۔

"لائبہ کے لئے ہاں کرنے والی بات۔" انمول نے چور نظروں سے اسکا چہرہ دیکھتے اپنا کپ اٹھا کر ہونٹوں سے لگایا تھا۔براق اک پل کے لئے ٹھٹکا پھر مسکرا دیا۔

"تم کہتی یا نہ کہتی انمول۔ میں نے تمہارے انکار کے بعد اسکے لئے ہاں کرنی ہی تھی۔ میں پریکٹیکل سا بندہ ہوں یار۔ تمہیں کیا لگا تمہارے فراق میں مجنوں بنا انمول انمول پکارتا کسی جنگل کی طرف نکل جاؤں گا۔" دل کی حالت سے قطعی بے نیازی برتتے وہ محظوظ انداز میں اسے دیکھتا مسکرایا تھا۔ انداز چھیڑنے جیسا تھا۔ انمول نے بدلے میں خفت زدہ ہوتے اس کو گھورا۔

"بکو مت۔" اسکے سرخ پڑتے چہرے کو دیکھ کر وہ خفیف سا مسکرا دیا۔

"بک نہیں رہا۔ حقیقت بتا رہا ہوں۔ لائبہ اچھی ہے، میں نے کبھی اسے اپنے لائف پارٹنر کے طور پر نہیں سوچا مگر جب منگنی ہو جائے گی، میں انگلینڈ چلا جاؤں گا، تو میرے پاس کافی ٹائم ہو گا اس رشتے کو قبول کرنے کے لئے، اور وقت کے ساتھ ساتھ یہ نیا رشتہ اپنی جگہ خود بنا لے گا۔"

وہ سر ہلاتا عام سے انداز میں بول رہا تھا، جیسے کوئی بہت سر سری سی بات ہو، کہتے ہوئے خوشی کی کوئی رمق اسکے چہرے پر دکھائی نہیں دیتی تھی۔ انمول نے نظریں چراتے سر اثبات میں ہلاتے چائے کا کپ اٹھالیا تھا۔

....

شادی ہال میں ہر طرف خوش گپیوں اور مختلف بولیوں کا راج تھا۔ اسٹیج پر چہرے پر مسکراہٹ لئے خوش شکل سے وقاص کے پہلو میں انمول کو ابھی ابھی نکاح کے بعد لا کر بٹھایا گیا تھا۔ نکاح کے پیپرز سائن کے لئے براق ہی اسکے پاس لے کر آیا تھا۔ سرخ گوشوں والی آنکھیں اور سنجیدہ چہرہ لئے وہ بلیک تھری پیس میں ملبوس وجیہہ لگ رہا تھا۔ جس وقت نکاح کے پیپرز اس نے لائٹ پنک میکسی میں دولہناپے کے سبھی لوازمات سے سجی انمول کے سامنے رکھے تھے ۔ انمول کا جی چاہا تھا وہ اسے یہاں سے اسے بہت دور بھیج دے۔ کاش وہ اسکی شادی سے پہلے ہی انگلینڈ چلا گیا ہوتا۔ کانپتے ہاتھوں سے نکاح نامے پر سائن کرتے جب وہ سیدھی ہوئی تو اسکے سر پر ہاتھ رکھ کر پہلی مبارکباد بھی اسی نے دی تھی۔

مگر اسکا چہرہ، انمول کا اندر دور کہیں کچھ ٹوٹا تھا۔

"امل اسے کہو، وہ یوں مت کرے، وہ اپنا ضبط یوں نہ آزمائے۔"

نجانے وہ کن کیفیات کا شکار تھی کہ اسکے جاتے ہی انمول نے امل کا ہاتھ دباتے سوگواریت سے کہا تھا۔

"کاش آپ نہ نہ کرتی آپی۔" آنکھوں میں شکوہ لیے امل نے پہلی بار اس سے گلہ کیا تھا۔ انمول کا اندر خالی پن کا شکار ہوتا چلا گیا۔ کوئی جواب نہ پا کر وہ نظریں چرا گئی۔

اسٹیج پر بیٹھنے کے بعد وہ اسے کہیں نظر نہیں آیا تھا۔ صرف تھوڑی دیر کے لئے وہ اسٹیج پر تب آیا تھا جب اس نے لائبہ کے ہاتھ میں اپنے نام کی انگوٹھی پہنائی تھی۔

پھر وہ اسے رخصتی کے وقت نظر آیا تھا۔ اسے کلام پاک کے سائے میں گاڑی تک لانے والا وہی تو تھا۔ پتہ نہیں وہ اپنا ضبط آخری حد تک آزمانے پر کیوں تلا ہوا تھا۔

انمول سب کو اشکبار چھوڑ کر اپنے پیا دیس سدھار گئی تھی۔ ایک نیا سفر، مگر کسی بھی سفر کے آغاز پر یہ طے کرنا قبل از وقت ہوتا ہے کہ آنے والا وقت ہمارے لئے کون سی منزلوں کا تعین کرنے والا ہے۔

....

انمول کا سسرال کوئی لمبا چوڑا نہیں تھا۔ ساس تھیں اور شوہر، ایک بڑی نند تھی جو کراچی بیاہی ہوئی تھی۔ گھر زیادہ بڑا نہیں تھا تین کمروں پر مشتمل تھا۔ جو اب اسکے جہیز کے لائے سامان سے بھرا پڑا تھا۔ پچھلے ایک ہفتے سے محلے کی خواتین دولہن دیکھنے ارہی تھیں۔ اسکی ساس بڑے فخر سے اسکے جہیز میں لائی ایک ایک چیز سب کو دکھاتی تھیں۔ انمول کو ان سات دنوں میں ہی بارہا محسوس ہوا تھا جیسے اس سے زیادہ اہمیت اسکے لائے ساز و سامان کی تھی۔ اب بھی تین عورتیں آئی ہوئی تھیں جنہیں دروازے تک رخصت کر کے اسکی ساس نخوت سے سر جھٹکتے، باہر صحن میں رکھے تخت تک واپس آئی تھیں۔

"جل کر راکھ ہو گئی ہیں۔ یہ رخسانہ اسکا تو منہ ہی لٹک گیا تھا اتنا سامان دیکھ کر۔ جب اسکے بیٹے کی شادی ہوئی تھی تو پورے محلے میں اترائی پھرتی تھی یہ میری بہو، اے سی، ٹی وی، واشنگ مشین، فریج، اور پتہ نہیں کیا کیا لے کر آئی ہے مگر بہو تمہارے جہیز کے سامنے تو وہ سب کچھ بھی نہیں۔"

تخت پر آلتی پالتی مار کر بیٹھتے وہ ساتھ ساتھ بول بھی رہی تھیں۔ پاس ہی تخت پر بیٹھی انمول ذرا سا مسکرا دی۔ اسے عجیب سا لگ رہا تھا، اسکی ساس ہر چیز کی جیسے نمائش کرنے پر تلی رہتی تھیں اور یہ تماشہ وہ دو دن سے خاموشی سے دیکھ رہی تھی۔

"ویسے ندرت بہن بھی بڑے دل کی مالک ہیں ورنہ کون کسی غیر کی بیٹی کو اتنا کچھ دے دلا کر رخصت کرتا ہے۔"

ایک اور تبصرہ کیا گیا تھا۔ انمول کا دل بجھ سا گیا مگر وہ پھر بھی مسکراتی رہی۔

"جی صحیح کہہ رہی ہیں آپ۔امی نے واقع ہی میرے لئے بہت کچھ کیا ہے۔ کبھی کوئی فرق نہیں کیا مجھ میں اور اپنی سگی اولاد میں۔"

ہاتھ باھم مسلتے ہوئے وہ بولی. ہلکے نیلے رنگ کے دھاگے کی کڑھائی والا کرتا شلوار پہنے سر پر ہم رنگ دوپٹہ لئے وہ ہلکا پھلکا میک اپ کیے کافی جاذب نظر دکھائی دے رہی تھی۔

تبھی دروازہ کھلا تھااور وقاص اندر داخل ہوا تھا۔وہ تیس سالہ اچھی شکل وصورت اور قدو کاٹھ کا حامل تھا،رنگ قدرے صاف تھا۔انمول کو دیکھ کروہ مسکرایا تھا۔

"تم ابھی تک تیار نہیں ہوئی۔چلنا نہیں ہے کیا؟"

چلتاہوا وہ آکر تخت کے پاس رکھی کرسی پر بیٹھ گیا تھا۔

"میں تو تیار ہوں بس چادر لینی ہے۔"

کہتے اس نے اجازت طلب نظروں سے ساس کو دیکھا تھا۔

"ہاں ہاں بیٹا جاؤ جاؤ۔" خوش دلی سے کہتے انہوں نے اسکا شانہ تھپتھپایا تو وہ اٹھ کر کمرے کی جانب چل دی۔

وہ کمرے میں آکر جلدی سے چادر الماری سے نکالتے اوڑھ رہی تھی جب وقاص بھی اندر چلا آیا تھا۔

" تھوڑا تیار ہو جاتی، فاؤنڈیشن لگا کر میک اپ فریش کر لو۔ اس طرح تو بہت ڈل لگ رہا ہے تمہارا رنگ۔" اسکے ساتھ آکر کھڑا ہوتا وہ آئینے میں دیکھتے اپنے بال ہاتھ کی مدد سے سیٹ کر رہا تھا۔ لب و انداز بڑے عام سے تھے، انمول کا چادر سر پر لیتا ہاتھ ٹھٹکا۔ تین دن کی نوبیاہتا سے اتنے کھلے الفاظ میں کہنا اسے عجیب لگا تھا۔ اس نے وقاص کی طرف دیکھا تھا مگر وہ لا پرواہی سے مڑ کر الماری کے سامنے جا کھڑا کچھ تلاشنے لگا۔

کچھ آگے کو ہو کر ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑے ہوتے لب کچلتے اس نے خود کو دیکھا تھا ۔ٹھیک تو لگ رہی تھی وہ جیسی ہمیشہ لگتی تھی۔ لیکن پھر بحث کرنے یا کچھ کہنے کے بجائے میک اپ کی کٹ دراز سے نکال لی تھی۔

شادی کی رات بھی وقاص نے دبے لفظوں میں اسے باور کروایا تھا وہ اسکی نہیں اسکی ماں کی پسند ہے۔

"تمہیں امی نے پسند کیا ہے۔میں سچ کہوں تو تم میرے آئیڈیل سے بہت مختلف ہو۔ مگر پھر بھی جب امی نے تمہیں چنا تو میں نے کوئی اعتراض نہیں کیا۔اب یہ تم پر منحصر ہے کہ مستقبل میں تم خود کو میری پسند میں ڈھال پاتی ہو یا نہیں؟"

اسکے مہندی میں رچے سانولے ہاتھ کی انگلی میں انگوٹھی پہناتے اس نے بڑے عام سے انداز میں کہا تھا۔بے دلی سے مسکراتے وہ سر جھکا گئی تھی۔اس سے زیادہ وہ کر بھی کیا سکتی تھی ۔اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا۔ساری زندگی اس نے اپنے ارد گرد کے لوگوں سے پزیرائی حاصل کی تھی اور یہاں پہلے ہی قدم پر اسکے ساتھ ایک لمبے سفر کا آغاز کرتے اسکا ہمسفر اسے یہ سب جتا رہا تھا۔

وقاص کے کہنے پر اس نے میک اپ بھی ذرا ڈارک کر لیا تھا حالانکہ اسے پسند نہیں تھا مگر اپنی نئی نئی شادی شدہ زندگی میں وہ چھوٹی چھوٹی باتوں کو ایشو بنا کر بدمزگی کی مرتکب نہیں ہونا

چاہتی تھی۔اور ویسے بھی وہ ایک دوسرے کے لئے ابھی اجنبی تھے وقت گزرنے کے ساتھ ایک دوسرے کی سمجھ لگنے لگے گی تو سب ٹھیک ہو جائے گا۔شروع میں تو ہر رشتے میں ہی کچھ نہ کچھ کھچاؤ رہتا ہے۔

رات کی فلائٹ سے براق جا رہا تھا۔ندرت نے انمول اور وقاص کو بھی کھانے پر مدعو کر رکھا تھا۔مغرب سے پہلے ہی وہ دونوں وہاں پہنچ گئے تھے۔اور اب وہاں ہال میں سب کی محفل جمی ہوئی تھی جہاں برہان وقاص سے بڑی گرمجوشی سے ملا تھا وہیں براق کا رویہ لیا دیا سا تھا۔اس نے ازراہِ رواداری اس سے ہاتھ ملایا تھا اور پھر ایک سائیڈ پر ہو کر بیٹھ گیا تھا۔وقاص ہنس مکھ اور خوش مزاج طبیعت کا حامل تھا۔اسکی کمپنی میں برہان اور امل تو کافی انجوائے کر رہے تھے البتہ براق بس خاموشی سے بیٹھا انکی باتیں سن رہا تھا۔اور اسکی کھوجتی نگاہیں برملا ندرت سے بات کرتی انمول نے اپنے میک اپ سے مزین مسکراتے چہرے پر محسوس کی تھیں۔وہ نا چاہتے ہوئے بھی بے آرامی کا شکار ہو رہی تھی۔پتہ نہیں کیوں اسے اس وقت اسکی گہری نگاہیں خوف زدہ کرنے لگی تھیں جیسے اندر کے سارے بھید جان لینے کے درپے ہوں۔

"تم خوش ہو؟"

وہ کچن میں آئی تھی جب وہ بھی آہستگی سے اٹھ کر اس کے پیچھے چلا آیا تھا۔ انمول نے پلٹ کر اسے دیکھا تھا۔ پھر مسکرا دی۔

"ہاں میں خوش ہوں ایسے کیوں پوچھ رہے ہو؟" اسکے کہنے پر سر ہلاتے وہ چند توقف کے لئے رکا تھا۔

"خوش ہو تو مجھے کیوں نہیں لگ رہی؟" پہلے سے زیادہ چبھتا سوال۔ نظروں کا ارتکاز ہنوز قائم تھا۔

"اس طرح سے مت دیکھو براق۔" وہ خائف ہوتی چڑ سی گئی۔

"میں تو ہمیشہ سے ایسے ہی دیکھتا آیا ہوں پہلے تو کبھی تمہیں اعتراض نہیں ہوا، تو آج کیوں؟ کہیں یہ تمہارے دل کا چور تو نہیں؟"

"یہ میرے جڑے ہاتھ دیکھو براق، زیادہ سی آئی ڈی مت بنو۔ بال کی کھال کھینچنے کی بھلا کیا ضرورت ہے میں خوش ہوں تمہیں یقین کیوں نہیں آرہا۔" اسکے سامنے اپنے دونوں ہاتھ جوڑ وہ مصنوئی غصے و خفگی کا اظہار کررہی تھی۔ وہ اب بھی یک ٹک اسے دیکھ رہا تھا۔

"دعا کرو تم خوش رہو۔ یہی تمہارے حق میں بہتر ہوگا انمول۔ تمہیں کوئی دکھ چھو کر بھی گزرا ناتو میں کبھی تمہیں معاف نہیں کروں گا۔"

اس کے لہجے کی دھیمی سی آنچ پر وہ ششدر سی رہ گئی تھی جو اسے وہیں چھوڑ خود منظر سے ہٹ گیا۔

وہ چلا گیا تھا۔ اور جانے کے بعد اس نے انمول کو کبھی اسکے سسرال کال تک نہیں کی تھی۔ اور یہ بھی انمول کو بہت بڑی غنیمت لگتی تھی۔

....

نئ زندگی کے بکھیڑوں میں کچھ یوں الجھی تھی کہ باقی کسی چیز کا ہوش تک نہیں رہا تھا۔شروع شروع میں تو وقاص اور اسکی ماں کا رویہ اسکی بابت اچھا رہا تھا مگر پھر آہستہ آہستہ ان میں تغیر سا آنے لگا۔وقاص کی طبیعت میں تحمل مزاجی کا فقدان تھا اسے ہر بات منہ پر بول دینے سے زیادہ مار دینے کی عادت تھی اور ایسا کرتے ہوئے وہ اس بات سے بالکل بے نیاز ہو جایا کرتا تھا کہ آیا سامنے والے کے کس قدر جذبات واحساسات مجروح ہوتے ہیں۔اسکی ساس ناہید کا تعلق اس قبیلے سے تھا جن کے لئے کچھ بھی کر لو انھیں کوئی نہ کوئی کسر نکال ہی لینی ہوتی ہے ۔شادی کے ایک ماہ کے اندر ہی اسکا اور وقاص کا اس بات پر جھگڑا ابھی ہو چکا تھا۔

اس دن اس نے واشنگ مشین لگائی تھی۔کپڑے دھو کر فارغ ہوئی تو تھوڑی دیر لیٹ گئی ،نجانے کب آنکھ لگی معلوم بھی نہیں ہوا،اور پھر اسکی آنکھ کمرے میں کسی چیز کے پٹخے جانے پر کھلی تھی۔

بدک کر اٹھتے اس نے نیند سے بھری مندی مندی آنکھیں کھول کر دیکھنے کی کوشش کی تھی ۔وقاص بیڈ کی پائنتی والی سائیڈ ماتھے پر شکنیں لئے کھڑا تھا۔چہرے کے تاثرات بتا رہے تھے موڈ خراب تھا۔شانوں پر دوپٹہ پھیلاتے وہ بیڈ سے اترتی کھڑی ہوئی۔

"آپ کب آئے۔"اسکے بگڑے انداز کو نظر انداز کرتے وہ شائستگی سے مسکرا کر پوچھنے لگی۔

"تمہیں نیند سے فرصت ملے تو معلوم ہونا کون کب آیا کب گیا،اور گھر میں کیا ہو رہا ہے ؟"

اسکے طنز آمیز انداز پر وہ ٹھٹکی تھی۔

"وہ میں نے کپڑے دھوئے تھے۔ایسے ہی ذرا دیر لیٹی تو آنکھ لگ گئی۔"

وہ کچھ خجل سی وضاحت کرنے لگی تھی۔

"ہاں ہاں تین لوگوں کے کپڑے تو جیسے بہت ہوتے ہیں۔تم تو یوں کہہ رہی ہو جیسے پورے محلے کے کپڑے دھوئے ہوں۔کچھ ہوش بھی ہے تمہیں امی بے چاری ساتھ والے کمرے

میں درد سے بے حال ہو رہی ہیں اور تم یہاں بے خبر پڑی خواب خرگوش کے مزے لے رہی ہو۔"

وہ غصے سے بلند آواز میں بولا تو انمول کو حیرت کا شدید جھٹکا لگا تھا۔

"امی کی طبیعت خراب ہے؟" زیر لب سرگوشی کرتے اسکے انداز ہم کلامی کے سے تھے ۔وقاص کو مزید پتنگے لگے۔

"بہت افسوس کی بات ہے انمول۔ایک بندہ ساتھ والے کمرے میں پڑا درد سے کراہ رہا ہے اور تمہیں پتہ بھی نہیں ہے۔ صحیح بات ہے وہ میری ماں ہیں تمہاری ہوتیں تو تمہیں پتہ ہوتا۔"

انمول نے اسکے الزام پر تڑپ کر اسکی طرف دیکھا تھا۔صبح سے وہ گھر کے کاموں میں لگی تھی ۔ناہید کی عادت تھی وہ صبح وقاص کے جاتے ہی کچھ دیر بعد گھر سے نکل جایا کرتی تھیں پھر دوپہر کھانے کے وقت واپس آتی تھیں۔وہ دن کا کھانا انہی کے ساتھ تخت پر بیٹھ کر کھایا کرتی تھی اور سارا وقت وہ اسے محلے کے کس گھر میں کیا ہو رہا ہے یہی بتاتی رہتی تھیں۔کہاں ساس

بہو کا جھگڑا ہوا، کس نے کس کو سنائیں یہ سب تو جیسے انکا محبوب مشغلا تھا۔ انمول بس چپ چاپ سنتی رہتی تھی۔ وہ پہلے پہل تو بڑے شوق سے بتاتی رہتیں پھر اسے یوں بت بنا چپ چاپ بنا کوئی رد عمل دیے سنتے دیکھ کر بد مزہ ہونے لگتیں اور خود ہی چپ کر جاتیں۔

آج بھی اپنے معمول کے مطابق وہ صبح کی گھر سے نکلی ہوئی تھیں۔ دوپہر کو واپس آئیں، کھانا اس نے انہی کے ساتھ کھایا تھا تب تک تو وہ بالکل ٹھیک تھیں۔ پھر اب اچانک سے۔۔۔

"وقاص میں ابھی گھنٹہ بھر پہلے کمرے میں آئی ہوں۔ امی کی طبیعت خراب تھی انہوں نے مجھے نہیں بتایا۔ مجھے سچ میں نہیں پتہ تھا۔۔۔"

اس کی آواز گھٹنے لگی تھی، آپ کی غلطی نہ ہو اور آپ کو پھر بھی کٹہرے میں کھڑا کر دیا جائے اس کے لئے یہ صورت حال پہلی دفعہ پیش آئی تھی۔

"مطلب تم سچی ہو اور میری سفید بالوں والی بوڑھی ماں جھوٹی ہے۔" وہ اور بھڑکا تھا۔ انمول نے بے بسی سے سر نفی میں ہلایا، آنکھوں میں پانی بھرنے لگا تھا۔

"اب یوں جاہل عورتوں کی طرح ٹسوے مت بہانا میرے سامنے۔وہ اور گھامڑ مرد ہوں گے جو عورتوں کے آنسو دیکھ کر رینجھ جاتے ہوں گے۔کوئی کم عمر دوشیزہ نہیں ہو تم جو یوں چھوٹی چھوٹی باتوں پر آنسو بہانے بیٹھ جایا کرو گی,وہ بھی جب کہ غلطی بھی تمہاری اپنی ہو۔جاؤ اب جا کر دیکھو امی کو۔آئندہ یہ کوتاہی برداشت نہیں کروں گا میں۔میری ماں بڑی چاہ سے بیاہ کر لائی ہیں تمہیں اور تم یہ سلوک کر رہی ہو انکے ساتھ۔وہ لاوارثوں کی طرح پڑی ہیں اور تمہاری نیندیں نہیں پوری ہو رہیں۔شادی سے پہلے وہاں ندرت آنٹی کے گھر تم نوکروں کی طرح سارا سارا دن کام کرتی تھی یہاں آکر مہارانی بن بیٹھی ہو۔اپنی اوقات میں رہو۔سمجھی؟"

اسکے گالوں پر بہتے آنسوؤں نے اسے اور بھی طیش دلائی تھی۔انمول اسکی اس قدر سفاکی سے تلخی پر اتر آنے پر دنگ سی کھڑی کی کھڑی رہ گئی۔ایک ذرا سی بات کا بتنگڑ بناتے اس نے اسکی ذات کے بخیے ادھیڑ کر رکھ دیے تھے۔

"دماغ خراب کر کے رکھ دیا ہے۔سارے دن کی خواری کے بعد بندہ گھر آئے تو آگے یہ ڈرامے لگے ہوں اس سے بہتر ہے بندہ گھر ہی نہ آئے۔"

سر جھٹک کر پینٹ میں سے بیلٹ کھینچ کر نکالتے ہوئے وہ ساتھ ساتھ غصے سے بھرا بڑبڑا بھی رہا تھا۔

ایک قہر آلود نگاہ اس پر ڈال کر، اسے وہیں کھڑا چھوڑتے وہ واش روم میں چلا گیا تھا۔انمول کچھ دیر وہیں بت بنی کھڑی رہی پھر گال دوپٹے کے پلو سے رگڑتی کمرے سے نکل کر ساتھ والے کمرے میں آئی تھی۔دونوں کمروں کا دروازہ کھلا تھا۔لازمی بات تھی ناہید نے وقاص کی تمام گھن گرج سنی ہو گی۔اسے شرمندگی واہانت کے شدید احساس نے آن گھیرا۔

اسے کمرے میں داخل ہوتا دیکھ انہوں نے پہلو بدلتے انجان نظر آنے کی سعی کی تھی۔

"امی کیا ہوا آپ کو؟طبیعت خراب ہے؟"

اپنی آواز کو ہر ممکن حد تک گلوگیر ہونے سے بچاتے اس نے بھیگی آنکھیں چراتے، آہستگی سے پوچھا۔

"رہنے دو بہو۔پورا دن میں درد سے کراہتی رہی ہوں، تمہیں آوازیں بھی لگائیں مگر مجال ہے جو تم نے بوڑھی بیمار ساس کے کمرے میں جھانکا بھی ہو مر کھپ گئی ہے یا زندہ ہے تمہاری بلا سے۔"

ناک منہ چڑھا کر ہاتھ جھلاتے وہ کہہ رہی تھیں۔انمول انکے سامنے بیٹھتی انکے بازو پر ہاتھ دھر گئی۔

"نہیں امی مجھے۔۔۔۔آپ کی آواز سنائی نہیں دی۔ورنہ میں کیوں ایسے کرتی؟میری تھوڑی دیر آنکھ لگ گئی تھی۔۔۔"

"تھوڑی دیر؟پورا دن سوتی رہی ہو تم جسے تم تھوڑی دیر کہہ رہی ہو۔مجھ سے پوچھو ایک ایک سیکنڈ درد میں بے حال کاٹنے سے عاجز تھی میں۔"

اسکا ہاتھ جھٹکتے کہا تو وہ ایک بار پھر سے روہانسی ہونے لگی تھی۔ اپنے ارد گرد کے لوگوں کے لئے وہ شروع سے حساس واقع ہوئی تھی۔ گھر میں کسی کو ذرا ساز کام بھی ہو جاتا تو وہ اسکا خیال یوں رکھتی تھی جیسے نجانے یہ کتنی بڑی بیماری ہو۔ یہاں تک کہ ندرت سے اسے ڈانٹ بھی پڑ جایا کرتی تھی کہ وہ سب کے یوں لاڈ اٹھا کر انکی عادتیں خراب کر رہی ہے۔ اور اب اسے یوں صفائیاں دینی پڑ رہی تھیں۔ وقت نے اسکے لئے شدید پلٹا کھایا تھا اور یک دم کھایا تھا کہ وہ کچھ بھی سوچنے سمجھنے سے مفلوج ہو گئی تھی۔

"اچھا میں معافی مانگتی ہوں۔ مجھے خیال کرنا چاہیے تھا امی۔ میری غلطی ہے میں مانتی ہوں۔ اب پلیز بتائیں کہاں درد ہو رہا ہے آپ کو؟ ڈاکٹر کے پاس چلیں؟"

وہ مفاہمتی انداز پر اتر آئی تھی۔ بحث کرنے سے معاملات خراب ہی ہونے تھے وہ بھی اس صورت میں جب مقابل خود کو صحیح اور سامنے والے کو غلط گردانںے کی ٹھان بیٹھا ہو۔

"نہیں۔ گولی کھالی تھی میں نے درد کی اب بہتر ہے کچھ۔"

وہ بھی اسے پست پڑتا دیکھ کر کچھ دھیمی پڑی تھیں۔

"کہاں درد ہو رہا ہے بتائیں میں دبا دیتی ہوں۔ بہتر لگے گا آپ کو۔"

آنکھیں رگڑ کر صاف کرتے وہ دوستانہ سی مسکراہٹ کے ساتھ کہہ رہی تھی۔

"ٹانگیں دبا دو۔ اتنی درد کر رہی ہیں ہائے اللہ مر گئی میں تو۔"

کراہتے ہوئے کہا تو وہ اٹھ کر جلدی سے انکی ٹانگوں والی سائیڈ آ کر بیٹھی تھی۔ پوری دلجمعی سے نرم ہتھیلیوں سے ٹانگیں دبانے لگی تو ناہید بھی پلکیں موند گئیں۔

"اب کوئی چائے بھی دے گا مجھے یا کسی ہوٹل سے جا کر پینی پڑے گی۔"

باہر سے وقاص کی چنگھاڑتی آواز پر وہ اپنی جگہ اچھلی تھی۔

"ہائے بہو وقاص کو چائے کا نہ پوچھا تم نے؟" آنکھیں کھول کر اسے ملامتی نظروں سے دیکھتے ناہید کا انداز بھی طنزیہ سا تھا۔

"امی وہ توجوں ہی آئے ہیں میں یہاں آپ کو دیکھنے آگئی تھی۔" وہ یہ نہیں کہہ سکی تھی کہ اس نے آتے ساتھ ہی اس پر کچھ یوں چڑھائی کی تھی کہ وہ بھاگی یہاں آئی تھی۔

"توبہ ہے آج کل کی لڑکیوں سے۔ شوہر کو کچھ سمجھتی ہی نہیں ہیں اور ایک ہم تھے شوہر گھر آتا تو اسکی خدمت کے لئے دائیں بائیں پھرا کرتے تھے۔" وہ بیڈ سے اتر کر چپل میں پاؤں ڈالتے جب تک کمرے سے نکلی تھی انکی بڑبڑاہٹیں اسکے کانوں میں پڑتی رہی تھیں۔

کچن میں آکر جلدی سے دو کپ چائے بنائی تھی۔ ناہید کو انکے کمرے میں دے کر وہ وقاص کا کپ لئے اپنے کمرے میں چلی آئی۔ وہ بستر پر نیم دراز موبائل فون پر ٹک ٹاک دیکھنے میں مصروف تھا۔

اسے دیکھ کر بھی ان دیکھا کر دیا تھا۔ یہاں تک کہ انمول کو اسے بلانا پڑا۔

"آپ کی چائے۔" مدھم سی آواز میں پکارا۔ ابھی کچھ دیر پہلے اسکی سنائی باتوں کو یاد کر کے دل نے احتجاج کیا تھا۔

"رکھ دوپی لوں گا۔" بجائے اسکے کہ اسکے مصالحتی انداز پر وہ کچھ نرمی دکھاتا اب بھی اسکا لہجہ اکھڑا اسا تھا۔ انمول نے ایک نظر اسے دیکھا اور پھر موبائل پر نازیبا لباس میں ناچتی تھرکتی اس ٹک ٹاک سٹار کو، جس کی ویڈیوز کوئی شریف انسان کسی دوسرے کے سامنے تو کیا اکیلے بھی دیکھنے سے پہلے سو بار سوچے۔ مگر آفرین تھی وقاص کی ڈھٹائی پر وہ بیوی کے سامنے ایسی ویڈیوز بڑے شوق سے دیکھتا تھا ایک دو بار انمول نے شروع شروع میں اسے ٹوکا تھا بدلے میں اسکے جواب نے اسے گھڑوں پانی میں بھگو کر رکھ دیا تھا۔

"اب انہیں دیکھ کر بھی دل خوش نہ کروں۔ بیوی تو پہلے ہی وہ ملی ہے یوں لگتا ہے جیسے ابھی کوئلے کی کان سے نکل کر آئی ہو۔" سر جھٹک کر اسے دیکھتے زہر خند لہجے میں کہتا وہ اس کی زبان ہی گنگ کر گیا تھا۔ کتنی دیر ڈبڈبائی آنکھوں سے وہ اسے دیکھتی رہی تھی۔

"میں نے نہیں کہا تھا مجھ سے شادی کریں۔میں کیسی دکھتی ہوں آپ جانتے تھے۔اپنی امی کے ساتھ آکر دیکھ گئے تھے نا مجھے۔تو اگر اتنی ہی ناپسند تھی تو انکار کر دیتے۔اب یوں ہر چند روز بعد مجھے جتایا مت کریں کہ میں کم صورت ہوں یا میرا رنگ ایسا ہے۔"

اس دن اس نے ہمت کر کے اسے منہ توڑ جواب دے ہی ڈالا تھا۔وقاص نے سکرین سے نظر ہٹا کر متعجب نظروں سے اسے دیکھا تھا جیسے اسکے بولنے کی امید نہ ہو۔

اسکا شمار ان مردوں میں ہوتا تھا جو شروع سے ہی عورت کو دبا کر رکھنے کے حامی ہوتے ہیں ۔عورت کو جوتے کی نوک پر رکھتے ہیں اور چاہتے ہیں وہ انکے ساتھ جیسا چاہے سلوک روا رکھیں بس آگے سے وہ مٹی کا مادھو اف تک نہ کرے۔اسی میں انہیں مردانگی دکھائی دیتی ہے ۔حالانکہ ایسا مرد تو عورت کے دل و نظر سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اتر جایا کرتا ہے اور دل و نظر سے اترا مرد پھر عورت کے لئے کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔وہ بے حس بن جاتی ہے اس کے معاملے میں۔اسے پرواہ نہیں رہتی وہ کیا کہہ رہا ہے، کیا کر رہا ہے۔مگر مرد۔۔۔۔وہ اس زعم میں مارے جاتے ہیں کہ عورت ان سے ڈرتی ہے دبتی ہے اس لئے خاموش ہو جاتی ہے۔

"مت ماری گئی تھی میری جوہاں کر دی۔مجھے لڑکیوں کی کوئی کمی تھی ایک سے ایک خوب صورت لڑکی مل جاتی۔اچھی شکل وصورت کا ہوں،اچھی نوکری والا،پڑھا لکھا ہوں۔پتہ نہیں کیوں امی کی باتوں میں آکر اپنی قسمت پر" کالا" تالا لگا بیٹھا۔"

اسے تحقیر آمیز نظروں سے دیکھتے ہوئے کہتا وہ اس وقت کس قدر کریہہ صورت لگ رہا تھا اسے پتہ چل جاتا تو یہ تنی گردن دوبارہ کبھی اٹھ نہ پاتی۔

اس دن کے بعد سے انمول نے اسے کچھ کہنا ہی چھوڑ دیا تھا۔وہ بہت سی اخلاقی برائیوں کا شکار تھا،گالی گلوچ،موبائل پر نازیبا مواد دیکھنا،رات گئے تک گھر سے باہر رہنا اور کبھی کبھار ہوش وخرد سے بیگانہ واپس آنا۔بظاہر دنیا کے سامنے اپنی خوش اخلاقی اور خوش مزاجی کا چولا وہ اسکے سامنے جب اتار پھینکتا تھا تو وہ حیرت زدہ سی گنگ رہ جایا کرتی تھی آیا وہ ایک ہی انسان ہے یا ایک شکل کے دو مختلف لوگ۔

شروع شروع میں اس نے دبے لفظوں میں ساس سے اس سب کی شکایت کرنی چاہی تھی مگر انکے جواب نے اسے باور کروادیا تھا۔اسکی اس درجہ پست قامت شخصیت کا اصل جواز کیا ہے

۔

"تم بھی عجیب باتیں کرتی ہو بہو،ارے جوان خون ہے اس عمر میں ہر مرد یہی کچھ کرتا ہے ہاں کچھ چھپ چھپا کر کرتے ہیں اور کچھ سر عام۔ تم یہ دیکھو کم از کم وہ جو کرتا ہے تمہیں پتہ تو ہوتا ہے۔ورنہ بیویوں کو تو ساری عمر بھنک نہیں لگنے دیتے یہ شوہر کہ گھر سے باہر کیا گل کھلاتے پھرتے ہیں۔وقاص تو پھر بس ذرا دوستوں میں شغل میلا لگالیتا ہے ورنہ تو مرد باہر منہ مارنے سے بھی دریغ نہیں کرتے۔خود ہی ٹھیک ہو جائے گا کچھ وقت گزرے گا تو۔تم فکر مت کرو اور نہ ہی اس معاملے میں زیادہ بحث کرنا اس سے۔اس طرح مرد ذات اور بد ظن ہوتی ضد میں اور برے پر اتر آتی ہے۔"

بجائے وقاص کو سمجھانے کے انہوں نے اپنے ہی سنہری اقوال کی پٹاری کھول کر انمول کو سبق پڑھانے شروع کر دیے تھے۔ وہ انکا منہ تکتی رہ گئی۔ جب مائیں اپنے بیٹوں کو یوں شے دیں گی تو پھر انکے بگڑنے کے لئے بیرونی اسباب کی ضرورت کیوں کر رہے گی۔

ندرت ہر دوسرے دن اسے کال کیا کرتی تھیں۔ اس نے اپنی شادی شدہ زندگی کی پیچیدگیوں سے انہیں بے خبر رکھتے ہمیشہ اپنے خوش وخرم ہونے کی یقین دہانی کرائی تھی۔ انہوں نے اس کے لئے اتنا کچھ کیا تھا اب اگر انہیں اسکے ان سب حالات کا پتہ چلتا تو یقیناً وہ خود کو قصوروار ٹھہراتیں۔ اپنی طرف سے تو انہوں نے اسکا اچھا ہی چاہا تھا اب یہ اسکے نصیب کی لکھی تکلیفیں تھیں تو اسے جھیلنی ہی تھیں۔

. . . .

اس دن وہ ندرت کی طرف گئی ہوئی تھی۔ امل کے سیکنڈ سمسٹر کا رزلٹ آیا تھا اور وہ اسے مبارکباد دینے آئی تھی۔ انکے بے حد اصرار پر بھی وہ بہت کم اس طرف کا رخ کیا کرتی تھی

۔اب بھی آئی تو وقاص اسکے ساتھ ہی تھا۔اور اسکی جی حضوری اور خوش مزاجی اپنے عروج پر تھی۔

وہ امل سے اس کی اسٹڈیز کے بارے میں پوچھ رہا تھا اور وہ خوش اخلاقی سے اسے جواب دے رہی تھی۔انمول کو بے اختیار کل رات کا واقعہ یاد آیا تھا جب اس نے وقاص سے امل کے لئے کوئی گفٹ خریدنے کی بات کی تھی۔

"وقاص اگر ہم امل کے لئے کوئی گفٹ لے جاتے تو۔۔۔"اس نے جس انداز میں آگے سے اسے دیکھا تھا اسکی باقی کی بات ادھوری رہ گئی تھی۔

"گفٹ کی کیا ضرورت ہے۔خواہ مخواہ نیا خرچہ۔پانچ سو روپے تھما دینا بس اتنا کافی ہے۔مہینے کی آخری تاریخیں چل رہی ہیں اور یہاں گفٹ دینے کی سوجھ رہی ہے۔" تنفر سے سر جھٹکا تو وہ اسکی شکل دیکھتی رہ گئی۔

"نہیں میں آپ سے نہیں کہہ رہی کچھ لینے کو۔ میرے پاس پیسے ہیں۔ ہم جاتے ہوئے راستے سے کچھ اچھا سا پیک کروا لیتے ہیں۔"

اس نے سنبھاؤ سے معاملہ سلجھانا چاہا تھا۔

"تمہارے پاس پیسے کہاں سے آئے؟" ایک ابرو اٹھا کر سوال کیا گیا تھا۔

"امی نے دیے تھے جب پچھلی بار گئی تھی تب۔"

"کتنے ہیں؟" یک دم اسکا لہجہ بدلا۔

"پانچ ہزار۔۔۔"

انمول اسکے بدلتے لب و لہجے کو دیکھتی رہ گئی۔

"جاؤ لے آؤ شاباش۔" اسکے کہنے پر وہ خوش ہوتی اٹھ کھڑی ہوئی تھی کہ اب کل امل کو گفٹ دینے کا مسئلہ تو حل ہو گیا تھا۔

الماری سے اپنے پرس میں سے پیسے نکال کر وہ پلٹ کر اس تک آئی تھی۔پیسے اسکے بڑھے ہاتھ میں تھمائے۔

"لو یہ ایک ہزار دے دینا۔اب اسی کی ماں نے دیے ہیں تو کیا پانچ سو دیں۔چار ہزار اپنے والٹ میں ڈالتے باقی کا ایک ہزار اسکی طرف بڑھایا تو وہ متعجب سی رہ گئی۔

"لو پکڑ لو اب۔اور باقی کے مجھے ابھی ضرورت ہیں تمہیں بعد میں لوٹا دوں گا۔"

وقاص کے قہقہے پر وہ حال کی دنیا میں واپس آئی تھی۔

"امل مجھے تمہارے ہاتھ کا پاستا کھانا ہے پلیز بنا دو گی کیا؟"

انمول نے اچانک سے ہی کہا تھا۔

"ہاں آپی میں ابھی بناتی ہوں۔ویسے بھی کافی ٹائم ہوا میں نے بنایا ہی نہیں۔"

وہ خوش دلی سے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ اسکے منظر سے ہٹتے ہی انمول نے چین کا سانس لیا تھا ۔ وقاص کی فطرت جاننے کے بعد اس کے سامنے امل کی موجودگی اسے کھٹکنے لگتی تھی۔

"تم تو ہمیں بھول ہی گئی ہو انمول۔ کبھی جو کہا ہو ایک دو دن ہی رہنے چلی جاؤں۔" ندرت نے محبت بھرا شکوہ کیا تھا۔

"وہی نا آنٹی۔ میں اور امی تو اسے اتنا کہتے رہتے ہیں مگر مجال ہے جو یہ سن جائے۔ یہی کہتی ہے میرا اب دل نہیں چاہتا۔" جواب اسکے بجائے وقاص کی طرف سے آیا تھا جو کہتے ہوئے کسی بہت چاہنے والے، جان نچھاور کرنے والے شوہر کی طرح اسے نرم نظروں سے دیکھ رہا تھا ۔ انمول کا اس درجہ منافقت پر سانس گھٹنے لگا تھا مگر ندرت کے لئے وہ زبردستی مسکرا دی۔

"ماشاءاللہ۔ اللہ نظر بد سے بچائے۔ بیٹیاں تو اپنے گھروں میں ہی آباد اچھی لگتی ہیں۔ لیکن اسکا یہ مطلب بھی ہرگز نہیں کہ میکے والوں پرائے ہو جاتے ہیں۔"

ندرت کو یک گونہ اطمینان حاصل ہوا تھا۔

"اس بار رہنے ہی آئی ہوں امی۔ دو تین دن رہ کر جاؤں گی۔"

اس نے بالکل اچانک سے فیصلہ کرتے کہا تھا۔ جہاں ندرت نے خوشی سے تو وہیں وقاص نے بری طرح سے چونکتے اسکی جانب دیکھا تھا۔

انمول بھی اسی کی جانب دیکھ رہی تھی۔ جس کی آنکھوں میں کچھ تشویش سی ہلکورے کھانے لگی تھی۔

"آپ سے رات کو بات کی تو تھی وقاص میں نے؟"

اس نے بھی ڈھٹائی سے جھوٹ گڑا۔ وقاص کھسیانے سے انداز میں مسکرا دیا۔

"ہاں بالکل۔ تم رہو۔ کسی نے منع تھوڑی کیا ہے۔" اندر ہی اندر پیچ و تاب کھاتے وہ بظاہر مسکرا رہا تھا۔

انمول کے دل کو وقتی ہی سہی بڑا سکون نصیب ہوا تھا۔اور آج کل وہ سکون نام کی چیز کے لئے اس قدر ترسی ہوئی تھی کہ وہ یہ بھی سوچنا نہیں چاہتی تھی وہ اسکے گھر واپس جانے پر اسکے ساتھ کیا سلوک روا رکھے گا۔

"تمہارا رنگ کیوں اتنا بجھا بجھا لگ رہا ہے انمول، کمزور بھی لگ رہی ہو۔اپنا خیال رکھا کرو بیٹا؟" ندرت کو اسکی صحت کی فکر ہوئی تھی۔انمول مسکرا دی، وقاص کے چہرے کا رنگ متغیر ہوا تھا

۔

"یہی تو آنٹی۔میں بھی اتنا کہتا ہوں اسے مگر یہ سنتی کہاں ہے۔سارا دن بس کام کام کام، میں نے کہا بھی کوئی میڈ لگوا لیتے ہیں۔الحمدللہ میں افورڈ کر سکتا ہوں۔مگر یہ کہتی ہے نہیں وقاص مجھے شروع سے کام کی عادت ہے۔اب آپ ہی سمجھائیں اسے۔اوپر سے گرمی اتنی ہوتی ہے بائیک پر سفر کرنے سے الگ کملا جاتی ہے۔آپ کے گھر تو گاڑی ہے اس نے پہلے کہاں بائیک پر یوں سفر کیا ہے۔" ایک بار پھر انہوں نے سوال تو انمول سے کیا تھا مگر جواب وقاص کی

طرف سے موصول ہوا تھا۔انمول تو بس اسکی اس درجہ کمال اداکاری پر غش غش کر اٹھی تھی۔

"تو بیٹا تم گاڑی کیوں نہیں لے لیتے؟"

ندرت اب پوری طرح سے وقاص کی طرف متوجہ تھیں۔

"جی آنٹی میں بھی سوچ رہاہوں۔دراصل شادی میں قرض بہت لے لیا تھاوہ جونہی ختم ہوتا ہے میں کرتا ہوں کچھ اس بارے میں۔"

وہ فرمانبرداری سے سر جھکائے کہہ رہا تھااور انمول سوچ رہی تھی وہ قرض کون سا تھاجو اس نے شادی میں لیا تھااور جو وہ اب چکارہا تھا۔

"دراصل بیٹا ہمارا ارادہ تھاانمول کو گاڑی دینے کا۔مگر پھر براق کے انگلینڈ جانے کے اخراجات کے باعث یہ ارادہ ملتوی کرنا پڑا تھا۔اب تم سوچ رہے ہو اس بارے میں تو جب بھی گاڑی لینی ہوئی مجھے بتانا کچھ تم رقم ڈالنا کچھ میں ڈال لوں گی تو اچھی گاڑی آجائے گی۔"

انکے کہنے پر وقاص کی باچھیں کھل گئی تھیں مگر انمول فوری طور پر بول اٹھی تھی۔

"نہیں امی۔اسکی ضرورت نہیں ہے۔وقاص پہلے ہی اتنا خفا ہوتے ہیں آپ نے جہیز میں بھی اتنا کچھ دے دیا تھا۔اب گاڑی یہ اپنے پیسوں سے ہی لیں گے۔بڑے خوددار ہیں اس معاملے میں۔ہیں ناوقاص ٹھیک کہانا میں نے۔"رسان سے انہیں منع کرتے اس نے وقاص کو بھی بیچ میں رگیدا جو اسکی بات پر بدمزہ ہوا تھا مگر جلد ہی اپنے تاثرات چھپا گیا تھا۔

"ہاں ہاں بالکل میں بھی تو یہی کہنے والا تھا۔آنٹی آپ پلیز مجھے شرمندہ مت کریں۔آپ بس دعا کیا کریں انمول کو تو میں کسی چیز کی کمی نہیں آنے دوں گا۔"

ان سے کہتے نظر بچا کر اس نے تنبیہ نظروں سے ندرت کے ساتھ والے صوفے پر براجمان انمول کو گھورا تھا مگر اس وقت اسے اسکی کوئی پرواہ نہیں تھی۔

دن کا کھانا وہیں کھا کر وہ چلا گیا تھا۔انمول اسے باہر گیٹ تک چھوڑنے آئی تھی۔

"میں دیکھ رہا ہوں بہت پر نکل آئے ہیں تمہارے، زیادہ اڑو مت ورنہ پر کاٹنے مجھے خوب آتے ہیں۔ یہ مت سمجھنا تم یہاں ہو تو میں کچھ کہہ نہیں پاؤں گا۔ دو منٹ لگیں گے مجھے تمہاری ساری اکڑ نکالنے میں۔ اور میں دیکھوں گا کوئی میرا کیا بگاڑ لے گا۔ یہ مت سمجھنا کہ یہاں ہو تو میں ڈر جاؤں گا۔ بس لحاظ کر رہا ہوں میں ان لوگوں کا۔ جنہوں نے پہلے ہی تم جیسی نیچ ذات کی لڑکی پر اتنے احسانات کیے ہوئے ہیں انکی نیکی کی وجہ سے چپ رہ گیا ہوں میں۔"

ابھی کچھ دیر پہلے تک جو مہذب پن اور اخلاقیات کا اعلی نمونہ بنا ہوا تھا ایک پل لگا تھا اسے اپنی اصل اوقات میں واپس آنے پر۔ بیرونی گیٹ کے پاس کھڑا اپنی بائیک پر بیٹھتے وہ دانت پیس کر غرایا تھا۔

انمول نے بے تاثر چہرے کے ساتھ سر ہلا دیا تھا۔ یہ تو وہ بھی اچھے سے جانتی تھی کہ کس بات نے اسکی زبان سب کے سامنے باندھ رکھی تھی۔ اتنے ماہ انکے بیچ رہ کر انکی لالچی طبیعت سے تو خوب واقف ہو گئی تھی وہ۔

وہ چلا گیا تو وہ کتنی دیر غائب دماغی سے وہیں کھڑی خالی نظروں سے خلاؤں میں گھورتی رہی تھی

۔

"آپی آجائیں یار وقاص بھائی کب کے چلے گئے ہیں۔ صرف دو دن ہی ہیں پھر آپ بھی انکے پاس ہی چلی جائیں گی اب یوں اداس کھڑی تو مت ہوں۔" اسے یوں کھڑا دیکھ کر باہر آتی امل نے اپنی پسند کا مطلب اخذ کرتے اسے چھیڑا تھا۔ وہ چونکے بنا نہ رہ سکی۔ ایک گہرا سانس خارج کرتے چہرے پر مسکراہٹ لاتے وہ اندر کی جانب قدم بڑھا گئی تھی۔

. . . .

رات کتنی دیر وہ اور امل باتیں کرتی رہی تھیں۔ برہان بھی وہیں چلا آیا تھا۔ انمول کو لگا تھا بہت عرصے بعد وہ کھل کر سانس لے رہی ہو۔

"چلے آئیں آپ دونوں کو آئس کریم کھلانے لے کر چلتا ہوں۔" باتوں کے دوران اچانک سے بیڈ پر نیم دراز برہان اٹھ کھڑا ہوا تو امل نے حیرانگی سے آنکھیں پھیلا کر اسے دیکھا تھا۔

"یہ تم کہہ رہے ہو۔یاد ہے آپی کیسے میں اور آپ اسکی منتیں کیا کرتی تھیں اور یہ ہمیں بھاری پڑا کرتا تھا۔اور احسان کر کے جاتا بھی تھا تو اپنا کمیشن الگ سے لیتا تھا اور اپنی کھٹارا کار کے لئے پیٹرول کے پیسے الگ سے۔ آج اپنے منہ سے کہہ رہا ہے واہ واہ بدلتا ہے رنگ آسمان کیسے کیسے ۔اس اصطلاح کی حقیقی سمجھ تو آج مجھے آئی ہے۔"امل نے سر دھنتے کہا تو برہان نے اسکے سر میں چپت لگائی تھی۔

"تمہارے لئے نہیں کہہ رہا منہ دھو رکھو۔یہ تو میں آپی کے لئے کہہ رہا ہوں۔"

برہان نے اسے آئینہ دکھایا تھا۔انمول انکی نوک جھونک سے محظوظ ہوتی چپ چاپ سنتی مسکراتی رہی۔

"ہائے سچی برہان شادی کے بعد بندے کی قدر زیادہ ہو جاتی ہے۔مطلب جب میری شادی ہو گی تو تم میرے لئے بھی ایسے ہی نرم دل اور جی حضوری کرنے والے بھائی بن جاؤ گے ۔"آنکھیں پٹپٹا کر اسے دیکھتے اب وہ اسکی ٹانگ کھینچ رہی تھی۔

"ہونہہ بلی کے خواب میں چھیچھڑے والا حساب ہے۔ پہلی بات تم جیسی پھوہڑ اور سست لڑکی کو بیاہنے آئے گا کون اور بالفرض کوئی قسمت کا مارا آ بھی گیا تو تم جاؤں گی تو میں تو شکرانے کے نفل پڑھوں گا۔ بلا سر سے اتری۔ دس منٹ ہیں آپ دونوں باہر آجائیں میں امی کو بتاتا ہوں ذرا جا کر ہم باہر جا رہے ہیں۔

بولتے ہوئے وہ کمرے سے نکل گیا تھا۔ امل نے اسے گھورتے جوابی کارروائی سے خود کو باز رکھا تھا۔ فلحال وہ اسے آئس کریم کھلانے لے کر جا رہا تھا یہ زیادہ اہم تھا۔ جواب تو بعد میں بھی دیا جا سکتا تھا۔

"دیکھ لوں گی بچو تمھیں میں۔ میری اتنی بے عزتی۔ خیر فلحال محسوس کرنے کا وقت نہیں ہے بعد میں دیکھا جائے گا۔ ہائے میں کپڑے بدل لوں آپی میں پانچ منٹ میں آئی۔ خبردار جو میرے بغیر آپ یہاں سے ہلی بھی تو۔ ورنہ وہ چھچھوندر مجھے چھوڑ کر جانے سے بھی دریغ نہیں کرے گا۔"

اسے انگلی اٹھا کر کہتے وہ عجلت میں الماری کی طرف بڑھی اور جو سوٹ پہلے ہاتھ میں آیا اچک کر واش روم میں بند ہو گئی تھی۔

انمول وہیں بیٹھ کر اس کا انتظار کرنے لگی جب امل کا موبائل تھر تھرا اٹھا۔ جلتی سکرین پر براق بھائی لکھا دیکھ کر ایک بار اسکا دل زور سے دھڑکا تھا۔ کتنے مہینے ہوئے تھے اس سے بات کیے ہوئے۔ موبائل اٹھا کر کال ریسیو کرتے وہ انجانی سی خوشی محسوس کر رہی تھی۔

"اسلام علیکم۔"

اسکے سلام پر دوسری طرف کچھ دیر کی خاموشی چھا گئی تھی جیسے وہ اسکی آواز کی توقع نہ کر رہا ہو

۔

"وعلیکم سلام۔ کیسی ہو؟"

اسکی بھاری آواز میں کچھ الگ سا تھا۔

"میں ٹھیک ہوں بے مروت انسان۔ تم تو بالکل بھول بھال گئے ہو۔ نہ کبھی کوئی کال کی نہ حال احوال پوچھا۔" خوش دلی سے ہلکے پھلکے انداز میں اس سے شکوہ کیا تھا۔

"یہ سارے حق تو تم نے خود مجھ سے چھین لئے تھے انمول بی بی۔ اب گلہ کیوں کر رہی ہو۔" وہ ہلکا سا ہنستا سنجیدہ تھا یا مزاح کے موڈ میں وہ اندازہ نہیں لگا پائی تھی مگر اسکی بولتی ضرور بند ہو گئی تھی۔

"خیر چھوڑو۔ یہ بتاؤ کیسی ہو اور تمہارے شوہر نامدار کیسے ہیں۔ ساس صاحبہ سب خیریت ہے؟"

اسکی چپ محسوس کرتے وہ ہلکے پھلکے انداز میں موضوع بدل گیا تھا۔

"سب ٹھیک ہیں۔ تم کیسے ہو؟"

بدقت اپنے حواس پر قابو پاتے وہ بولی تھی۔

"میں بھی ٹھیک ہوں۔"

"کیسی چل رہی ہے تمہاری پڑھائی۔"

"اچھی چل رہی ہے۔"

"یہ تو واپس آؤ گے تو پتہ چلے گا۔اب ہمیں کیا پتہ وہاں پڑھ رہے ہو یا سارا دھیان گوری میموں میں اٹکا ہوا ہے۔"

"یہ طعنہ تو مت دو گوریاں تو ویسے بھی میرے دل کو نہیں بھاتی۔"

وہ بے ساختہ بول اٹھا تھا اور بولنے کے بعد احساس ہوا تھا وہ کیا کہہ گیا ہے مگر تیر تو اب کمان سے نکل چکا تھا۔ابھی وہ معذرت کرنے کا سوچ ہی رہا تھا کہ اسکی آواز گونجی۔

"اچھا ہم لوگ آئس کریم کھانے جا رہے ہیں برہان کے ساتھ۔تم بعد میں کال کر لینا وہ باہر بلا رہا ہے۔اللہ کی امان۔"

کہہ کر سرعت سے لرزتی انگلیوں سے اس نے کال کاٹ دی تھی۔ہتھیلیاں پسینے میں بھیگ سی گئی تھیں۔کبھی کبھی کسی کو کھو دینے کے بعد ہمیں احساس ہوتا ہے ہم نے کیا کھویا ہے۔اور کچھ

ایسا ہی احساس اسکی نرمی میں ڈوبی آواز سن کر انمول کے دل کو بھی جکڑ گیا تھا۔وہ گم صم سی وہیں بیٹھی تھی جب امل باہر نکلی۔

"چلیں آپی میں تیار ہو گئی۔" جلدی سے مڑ کر آگے کھڑے ہو کر خود کو دیکھتی وہ بولی تھی ۔انمول خیال سے حقیقت کی دنیا میں واپس لوٹتی بے دلی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

....

کمرے میں داخل ہوتے بیڈ پر بیٹھی انمول کو دیکھ کر ایک پل کے لئے وہ ٹھٹکا،ہاتھ بے اختیار ٹائی کی ناٹ کو چھو گیا تھا، پھر مسکراتے ہوئے اندر داخل ہوا۔انمول کا سپاٹ چہرہ ہنوز ویسے کا ویسا تھا۔اسکے آنے پر اس نے کوئی ری ایکشن نہیں دیا تھا حتی کہ سلام تک نہیں۔

"تم کب واپس آئی؟ میں آج خود لینے آنے کا سوچ رہا تھا۔" خوش دلی سے کہتے آگے بڑھتا وہ اس وقت کس قدر محبت کرنے والا، خیال رکھنے والا شوہر لگ رہا تھا۔ انمول کی نظریں ابھی بھی اسی پر جمی تھیں۔ کوئی اور وقت ہوتا تو اس کے اتنے اچھے موڈ پر وہ جی اٹھتی۔

"آپ نے امی سے ایک لاکھ کیوں لئے وقاص؟"

بے تاثر مگر ذرا سخت آواز میں وہ بولی تو وقاص کے ہونٹوں کی مسکراہٹ سمٹی۔ ساری خوش مزاجی لمحے میں اڑنچھو ہوئی تھی۔

"تو تمہاری نام نہاد امی نے بتا ہی دیا تمہیں۔"

بنا شرمندگی کے کسی احساس کے وہ منہ کے زاویے بگاڑ تا طنزیہ گویا ہوا۔ انمول کو شدید تاسف سے آن گھیرا۔

"امی مجھ پر خفا ہو رہی تھیں کہ میرے گھر کے حالات اگر خراب ہیں تو میں نے انہیں کیوں نہیں بتایا؟ لیکن مجھے تو خود انکے منہ سے سن کر علم ہوا ہے کہ میرے گھر کے مالی حالات اس قدر خراب ہیں۔"

بیڈ سے اٹھتی وہ بھی بنا لگی لپٹی رکھے دوٹوک انداز میں بول رہی تھی۔ وقاص کی تیوری مزید چڑھی۔

"تمہیں یہاں آرام کرنے اور اپنی خیالوں کی دنیا میں سے باہر نکلنے کی توفیق ہو تو پتہ چلے نا میری کیا پریشانیاں ہیں۔ قرض چڑھا ہوا تھا مجھ پر وہی چکانے کے لئے لئے تھے ان سے پیسے ۔ کر دوں گا واپس کھا نہیں جاؤں گا۔ اور تم۔۔۔ تمہیں ذرا احساس ہے شوہر کی تنگی و پریشانی کا کیسے مجھ سے جرح کرنے لگی ہو چھوٹی سی بات پر۔"

"چھوٹی سی بات؟ یہ چھوٹی بات ہے وقاص؟ آپ میرے گھر والوں سے میرے علم میں لائے بنا ایک خطیر رقم لیتے ہیں اور چاہتے ہیں میں آپ سے سوال تک نہ کروں؟ اور کون سی تنگی و پریشانی؟ ہم گھر کے تین لوگ ہیں بس، گھر اپنا ہے کوئی کرایہ دینے کا جھنجھٹ نہیں اور آپ

کی پے ماشاء اللہ اتنی ہے کہ اچھے سے ہمارا گزارا ہو جائے۔میں نے ان چند ماہ میں کبھی آپ سے کوئی بے جا فرمائش نہیں کی۔گھر کا لگا بندھا خرچہ ہے تو یہ قرض کہاں سے آ گیا؟"

اسکے سامنے کھڑی وہ سوال کر رہی تھی۔وقاص ذرا بھر گڑبڑایا۔

"شادی میں قرض لیا تھا میں نے۔وہی چکانا تھا۔اور کوئی احسان نہیں کیا تمہاری نام کی امی نے مجھ پر ایک لاکھ دے کر۔تم جیسی کم ذات کو کون بیاہتا؟کتنی لڑکیاں ہوتی ہیں جو اتنے اچھے اور شریف گھرانے کی ہونے کے باوجود شکل وشباہت میں ذرا بھی کم تر ہوں تو ساری زندگی باپ کی دہلیز پر بیٹھی رہتی ہیں۔ماں باپ راہ تکتے ہیں کوئی اچھا رشتہ ملے تو بیٹی کو دنیا جہاں کی آسائشیں مہیا کر کے رخصت کریں مگر کوئی دیکھتا نہیں انکی طرف۔اور ایک تم ہو میری ماں نے خدا ترسی کے تحت تمہیں چنا کہ نیکی کا کام ہے اور تم اب ہمیں ہی آنکھیں دکھا رہی ہو۔اوقات سے بڑھ کر مل گیا ہے تمہیں تو خود کی اوقات مت بھولو۔اب میرا زیادہ سر مت کھاؤ۔آفس سے آتے ہی کچہری کھول لی تم نے۔نہ چائے کا پوچھا نہ پانی کا۔شکل وصورت تو رہنے دو یہاں تو انداز واطوار بھی ایسے نہیں کہ شوہر کے دل میں گھر کر سکیں۔"ٹائی اتار کر

اسکے منہ پر مارتے وہ اپنے آخری حربے پر اتر آیا تھا۔انمول نے آنکھیں میچ کر چہرہ موڑا،ٹائی اسکے گال سے ٹکراتی نیچے گری تھی۔

کم ظرف انسان کی یہی خصلت ہوتی ہے جب وہ خود کو پسپا ہوتے دیکھتا ہے تو اسکا اخلاقی معیار بھی گرتا چلا جاتا ہے پھر وہ تاک تاک کر نوک زبان سے مقابل کو وہیں نشانہ بناتا ہے جہاں تکلیف زیادہ ہو۔

وہ تن فن کرتا منظر سے تو ہٹ گیا تھا مگر وہ سن سی کیفیت میں گری کتنی دیر وہیں کھڑی رہی ۔اپنی کم شکلی کا طعنہ اب اسکے لئے غیر مانوس نہیں رہا تھا۔

مگر اب اسے تکلیف کا احساس نہیں ہوتا تھا۔وہ روتی نہیں تھی،شاید اسکے احساسات پر بے حسی کی اوس پڑ گئی تھی۔

کچھ دیر بعد وہ واش روم سے نکل کر ماں کے کمرے میں چلا گیا تھا اور اب بلند آواز میں ساری باتیں انہیں سنا رہا تھا۔انمول کا دل کچھ اور بھی اسکی جانب سے بدظن ہوا تھا۔وہ جانتی تھی ناہید

نے حرف بہ حرف سنا ہو گا مگر پھر بھی اب دوبارہ پورے جوش و خروش سے نہ صرف سنیں گی بلکہ مفید مشوروں سے بھی نوازا جائے گا۔ مرد کو خود سے جڑے رشتوں کے حوالے سے باتوں کو صیغہ راز رکھنا آنا چاہیے۔ بیوی کی باتیں ماں سے اور ماں کی بیوی سے کرنے والے مرد گھروں میں غیر توازن اور بدمزگی کا باعث بنتے ہیں۔ اور بدقسمتی سے وقاص کے اندر یہ خوبی سرے سے ندارد تھی۔

"ہاتھ ہولا رکھو بیٹا جی۔ یوں روز روز کی چیخ و پکار بھی اچھی نہیں ہے۔ مت بھولو وہ سونے کا انڈا دینے والی مرغی ہے ہمارے لئے۔ ٹھنڈا کر کے کھاؤ کہ نہ منہ جلے نہ ہاتھ۔ ہر وقت اسکے ساتھ لڑتے جھگڑتے مت رہا کرو۔ یہ نہ ہو کسی دن وہ اپنے میکے والوں کو بتا دے تو جتنی انکی حیثیت ہے ہمیں تو لینے کے دینے پڑ جائیں گے۔"

سفید دوپٹہ سر پر لئے دونوں کانوں کے پیچھے اڑسائے ناہید بیٹے کو سمجھا رہی تھی۔ جس کے چہرے پر بےزاری صاف رقم تھی۔

"اماں آپ جانتی تھیں میری بس ایک ہی خواہش تھی جس سے میری شادی ہو وہ گوری چٹی خوب صورت ہو جو ساتھ چلے تو لوگ ٹھہر ٹھہر کر دیکھیں۔اور آپ نے وہ لڑکی ڈھونڈی جو ساتھ چلتی ہے تو لوگ رک کر دیکھتے ضرور ہیں مگر عجیب نظروں سے۔"

وہ خود پسندی کے خول میں قید حقارت سے کہہ رہا تھا۔ناہید نے تاسف سے اپنا ماتھا پیٹ لیا۔

"کچھ پانے کے لئے کچھ کھونا تو پڑتا ہے۔اب جیسی لڑکی تم کہہ رہے تھے ویسی بیاہ کر لاتے تو اسکے ہی سو سو نخرے ختم نہ ہوتے اور یہ جو تمہارا گھر سامان سے بھرا پڑا ہے اتنا کچھ لاتی وہ ۔ارے خوب صورت لڑکیوں کی تو اپنی ڈیمانڈیں ہی ختم نہیں ہوتیں۔"

انہوں نے اسے گھر کا تو وہ بھی سمجھنے کے انداز میں سر ہلا گیا۔بات تو صحیح تھی۔

"اب اٹھو اور جا کر دیکھو اسے۔"

ناہید نے رخ موڑ کر ٹی وی کا ریموٹ اٹھایا تھا۔ویسے بھی انکے ساس بہو اسپیشل ڈرامے کا وقت ہوا چاہتا تھا۔

وقاص وہاں سے اٹھ کر اپنے کمرے میں واپس آیا تھا وہ وہی بیٹھی تھی جہاں کچھ دیر پہلے اسکے آفس سے آنے پر بیٹھی ہوئی تھی۔ اسکے آنے پر بھی ہنوز بیٹھی رہی۔

وہ کچھ نادم سا دکھائی دیتا اسکے سامنے گھٹنہ موڑ کر بیٹھ گیا۔ انمول نے نظروں کا رخ موڑ لیا تھا ۔چہرہ بالکل سپاٹ تھا، بے تاثر، ہر احساس سے مبرا اور شاید اسکا دل بھی۔

وقاص نے آہستگی سے اسکی گود میں دھرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا تھا۔ اسکی صاف رنگت والے ہاتھ میں اسکا ہاتھ کچھ اور بھی سانولا لگنے لگا تھا۔ وقاص کا دل بھرنے لگا مگر الفاظ میں چاشنی لئے وہ مدھم آواز میں بول رہا تھا۔

"آئی ایم سوری۔ مجھے پتہ ہے میں کبھی کبھار بہت زیادتی کر جاتا ہوں تمہارے ساتھ۔ بہت غلط بول جاتا ہوں۔ مگر میں کیا کروں؟ میں ایسا ہی ہوں انمول۔ غصے میں مجھے کچھ سمجھ نہیں لگتی کہ میں کیا بک رہا ہوں۔ تم بھی پلیز زیادہ دھیان مت دیا کرو۔ نہ دل سے لگایا کرو، میں تو ایسے ہی جو منہ میں آتا ہے بول دیتا ہوں۔ وقتی غصہ ہوتا ہے ورنہ میرے دل میں ایسا کچھ نہیں ہے۔ تم بہت اچھی ہو، اور مجھے بہت اچھی لگتی بھی ہو انمول۔ بس غصے میں میری مت ماری

جاتی ہے۔ تم بھی تو ایسی باتیں کر دیتی ہو جو میرے غصے کو اور بڑھاوا دینے لگتی ہیں۔ شوہر کا بڑا رتبہ ہوتا ہے۔ اچھی بیویاں یوں زبان درازی نہیں کرتیں۔ تم بھی تھوڑا خیال کر لیا کرو۔"

معذرت خواہاں انداز، اور لجاجت بھرا لہجہ۔ مگر وہ پھر بھی الزام اسکے سر دھرنے سے باز نہیں آیا تھا۔ وہ ویسے ہی بے تاثر آنکھوں اور کورے چہرے کے ساتھ اسے دیکھتی رہی، دل میں اسکے لئے کسی قسم کا کوئی بھی احساس جاگنے سے صاف انکاری تھا۔

"کیا تم اب بھی مجھ سے ناراض ہو؟"

وہ اسکی طرف نرم نظروں سے دیکھتے استفار کر رہا تھا۔

انمول نے چند پل اسے خاموشی سے دیکھنے میں وقف کیے تھے۔ اس کے ساتھ رہتے، اسکی دھوپ چھاؤں سی ہم سفری میں اتنا تو وہ جان چکی تھی وہ عافیت میں تب تک ہی تھی جب تک اسکی ہر بات پر آنکھ کان بند کرتے لبیک کہتی جاتی۔ جہاں اس نے اسے سمجھانے یا اسکے غلط

ہونے کا احساس دلانا چاہا وہیں وہ ساری نرم مزاجی اور خوش گفتاری ترک کرتے اپنی اصلیت پر اتر آتا تھا۔

"اچھا یہ آخری دفعہ ہے آئندہ ایسا نہیں ہو گا۔بس اس بار درگزر کر دو۔" یہ جملے وہ چند ماہ کی رفاقت میں کہیں بار سن چکی تھی کہ اب یہ الفاظ اپنا وزن کھو چکے تھے۔بے یقینی کے باوجود وہ آہستہ سے سر ہلا گئی۔خوشی سے نہال ہوتے وہ اپنے ہاتھ میں قید اسکے ہاتھ کی پشت تھپتھپا کر چھوڑتے مسکرا دیا تھا۔

"مجھے پتہ تھا تم مجھے معاف کر دو گی۔تمہارا دل بہت خوب صورت ہے انمول۔چلو اب جلدی سے تیار ہو جاؤ۔میں تمہیں آج رات کھانا باہر کھلاتا ہوں۔ساتھ تھوڑا گھوم پھر بھی لیں گے"۔

اسکے گال کو چھوتے وہ اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

"چلو شاباش اٹھو اب جلدی کرو۔"

وہ کمرے سے نکل گیا تھا۔وہ ایک تھکن زدہ سانس خارج کرتے اٹھ کھڑی ہوئی۔ آغاز سفر میں ہی اسکے پاؤں شل ہونے لگے تھے۔ آگے کی لمبی مسافت کا سوچ کر سانسیں ابھی سے بوجھل ہوتیں اکھڑنے لگی تھیں۔

. . . .

اتوار کو خلاف معمول وقاص گھر پر ہی موجود تھا۔ پچھلے کچھ دن سے اسکا موڈ اچھا تھا اور یہ خوش آئند بات تھی۔ حبس کا شکار زندگی میں یہ تازہ ہوا کے جھونکے کے جیسے تھا اک موہوم سی امید جاگی تھی،شاید کہ سب ٹھیک ہو جائے۔اس کا اور وقاص کا تعلق بہتر ہو جائے۔ گھٹن کا احساس کچھ زائل ہو جائے تو زندگی اتنی مشکل نہ رہے۔

ہر انسان خوبیوں اور خامیوں کا مرکب ہوتا ہے۔جب ہم صرف خامیوں کو نظر میں رکھنے لگتے ہیں تو رشتوں کا بوجھ ہماری آتی جاتی سانسوں کو ہمارے لئے تنگ بناتا جاتا ہے۔ وہیں اگر ان

خامیوں سے کچھ قطع نظر کر کے اچھائیوں کو مرکز نگاہ بنالیا جائے تو زندگی کی گاڑی کو پھر گھسیٹنا نہیں پڑتا، راہیں سہل ہونے لگتی ہیں، سفر زندگانی کی رکاوٹیں دل کو تنگی کی طرف نہیں لے کر جاتیں، نئ راہیں تلاشنے میں، آسانیاں چننے میں انسان کے ہاتھ اگر زخمی ہو بھی جائیں تو دل کا سکون کہیں نہیں کھوتا۔

آج کل وہ انہیں کیفیات کا شکار تھی۔ اپنے ذہن و دل کو ہر پراگندہ سوچ سے آزاد کرتے وہ آج کل امید کا جگنو ہاتھ کی مٹھی میں زور سے بھینچے ہوئے تھی۔

چھت پر دھوئے ہوئے کپڑے پھیلاتے اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا وہ کسی کی نظروں کے حصار میں تھی۔ اپنے آپ میں ہی مگن وہ چھت پر بندھی تار پر کپڑے پھیلا رہی تھی جب سر سے دوپٹہ ڈھلک گیا تھا۔ اسکے کالے گھنے بالوں کی چوٹی کمر پر لہرا سی گئی۔ وہ مڑی تھی، پیچھے وقاص کھڑا تھا، اسے دیکھ کر وہ نرمی سے مسکرائی مگر اس کی نظروں میں پنپتا عجیب سا تاثر اسکی مسکراہٹ کو معدوم کر گیا تھا۔ کچھ تھا جو اسے کھٹکا تھا۔

"سر پر دوپٹہ لو۔ "سخت آواز میں کہتے اس پر سے نظریں ہٹا کر گردن موڑتے ساتھ والی چھت پر دیکھا تھا۔ انمول نے سر پر دوپٹہ لیتے اسکی نظروں کے تعاقب میں دیکھا تھا، جہاں ساتھ والی چھت پر کبوتروں کے لئے بنائے بڑے سے جالی دار پنجرے میں رکھے کبوتروں کے پاس ایک لڑکا کھڑا تھا۔ وقاص کو دیکھ کر وہ ہاتھ میں پکڑا کبوتر پنجرے میں بند کرتے سر پر ہاتھ پھیرتا اپنی سیڑھیوں کی طرف بڑھتا نیچے اتر گیا۔

"اتنی دیر ہو گئی تمہیں اوپر آئے ہوئے کیا ایک ہی بار کپڑے سوکھا کر اتار کر لے جانے کا ارادہ ہے؟ "وہ طنزیہ نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ اسکی نظروں میں چھپا پیام جان کر انمول کی پیشانی عرق آلود ہونے لگی تھی۔

"نہیں میں بس آ ہی رہی تھی۔ کپڑے زیادہ تھے وقاص تو ذرا دیر لگ گئی۔"

نہ چاہتے ہوئے بھی اسکی آواز کچھ دب سی گئی تھی۔

"آج کے بعد بنا سر پر دوپٹے کے تمہیں چھت پر نہ دیکھوں میں۔ بلکہ میں تار ہی نیچے باندھ دوں گا کوئی ضرورت نہیں چھت پر آنے کی کپڑوں کے بہانے سے۔" ایک تیز چھبتی نظر اس پر ڈالے اسکے ماتھے کے بل اور گہرے ہوئے تھے۔ انمول گنگ سی کھڑی رہ گئی۔ وہ اس پر شک کر رہا تھا، اسکی پوری ذات سناٹوں میں گھرتی چلی گئی۔

"میرے سر پر دوپٹہ تھا وقاص بس ذرا سا سرک گیا تھا۔ اور مجھے کیا ضرورت ہے بہانوں کی چھت پر آنے کے لئے۔ آپ غلط بات کر رہے ہیں اب۔"

اہانت سے تمتماتے چہرے کے ساتھ اسکی آواز میں برہمی تھی۔ اور اسکی ذرا سی اونچی آواز وہ برداشت نہیں کر پایا تھا۔ دو قدم اسکی طرف طیش سے لیتے اسکے بالوں کو گردن پر سے اپنی مٹھی میں جکڑتے سر کو اونچا کرتے جھٹکا دیا تھا۔ انمول درد سے کراہ کر رہ گئی۔ بمشکل اپنی چینخ کو دبایا۔

"بحث مت کیا کرو آگے سے۔ مجھے کوئی بے غیرت قسم کا مرد مت سمجھنا جو بیویوں کے یوں جلوہ دکھانے پر خوشی محسوس کرتے ہیں میں جان سے مار دوں گا تمہیں اگر آئندہ ایسا کچھ دیکھا میں نے تو۔ اب دفع ہو جاؤ نیچے میرا دماغ مزید خراب مت کرو۔"

اسے دھکا دے کر چھوڑا تو اسکا سر چھت پر بنی چاروں اور اس چھوٹی سی دیوار پر جا کر لگا تھا۔ اسکے پورے وجود میں درد کی لہر سنسنا اٹھی۔ ماتھے پر ہاتھ رکھتے ہونٹ بھینچ کر درد کی شدت کو ضبط کرتے وہ سیدھی ہوئی تھی۔ آنکھوں سے پانی رواں ہونے لگا تھا۔

بہتی آنکھوں کے ساتھ وہ غیرت کے اس پیکر کا دھندلاتا، ڈگمگاتا عکس دیکھ کر رہ گئی۔ بیوی پر یوں تہمت لگانے والے، اور پھر ہاتھ اٹھانے والے مرد پتہ نہیں غیرت کی کون سی کیٹگری میں آتے ہیں وہ جانچ نہیں پائی تھی۔

مگر ایک بات تو طے تھی وہ شخص ہر بار اسکے دل سے نئے سرے سے اترتا تھا اور پہلے سے زیادہ پستی میں جا گرتا تھا۔ جہاں سے دیکھنے پر وہ کسی پست قامت بونے کی مانند معلوم ہوتا تھا۔

تن فن کرتا وہ اسے گھسیٹتا ہوا ساتھ لئے نیچے اتر گیا تھا۔ اسکی ساس نے اسکے ماتھے پر پڑے نیل کو دیکھ کر بھی ان دیکھا کر دیا تھا۔ البتہ بیٹے کی زبانی تمام رداد سن چکی تھیں۔ اس دن وقاص نے پہلی بار اس پر ہاتھ اٹھایا تھا، بلکہ اپنے ہوش سنبھالنے کے بعد وہ پہلا انسان تھا جس نے اس پر ہاتھ اٹھایا تھا۔ اور یہ اسکی عزت نفس کو لگنے والا اک بڑا دھچکا تھا۔ زبانی طنز بھی دل و روح کو گھائل کرتے ہیں مگر جسمانی ضرب ہماری خودداری کو اور ہی طرح سے زخمی کرتی ہے اور یہ انمول کے لئے پہلا پہلا زخم تھا۔ وہ بولی نہیں تھی کیوں کہ اسے سمجھ ہی نہیں آیا تھا وہ بولے تو کیا بولے۔ اسے لگا تھا یہ بات وہیں ختم ہو گئی ہے مگر اس گھر کے لوگوں کے بارے میں درست رائے قائم کرنے میں وہ اکثر ناکام رہتی تھی۔

. . . .

اگلے دن برہان اچانک سے بنا اطلاع کے چلا آیا تھا۔ وہ خوش گوار سی حیرت کا شکار ہوئی تھی۔ اپنے ماتھے کا نیل اس نے حجاب کی صورت لئے دوپٹے میں چھپا لیا تھا۔ جسے دیکھ کر وہ خود آئینے سے نگاہ چرا لیتی تھی، جو ہر بار اسے نئے سرے سے اہانت کا احساس دلاتا تھا۔ ناہید بھی

گھر پر موجود تھیں۔وہ وہیں باہر انکے پاس تخت پر بیٹھ گیا تھا۔انمول کچن میں چلی گئی تھی ۔برہان کچھ دیر انکے پاس بیٹھنے کے بعد اٹھ کر انمول کے پیچھے کچن میں چلا آیا تھا۔

"کیا آپی یار۔۔۔میں یہاں آپ کے لئے آیا ہوں اور آپ ہیں کہ کچن میں آکر چھپ بیٹھی ہیں اور وہاں آپ کی ساس کی سٹار پلس والی ساسوں کی طرح دکھڑے ہی ختم نہیں ہو رہے۔"

پلیٹ میں رکھی نمکو میں سے چٹکی بھر کر منہ میں رکھتے وہ کافی آہستہ آواز میں بول رہا تھا ۔انمول نے خفیف سے انداز میں اسے گھورنا چاہا مگر وہ ایسا بھی نہیں کر سکی۔اتنے دنوں بعد کسی اپنے کو دیکھ کر طبیعت کی ساری کسلمندی دھری کی دھری رہ گئی تھی۔دل کا سارا بوجھ جیسے سرک گیا تھا۔

"تم کیسے آج راستہ بھول بیٹھے؟یہ تو بتاؤ پہلے۔"

چائے چھان کر کپ میں انڈیلتے ایک نظر اسے دیکھا۔

"ارے آپ کو یاد نہیں آج برتھ ڈے ہے آپکا۔ میں تو لینے آیا ہوں آپ کو۔ امل گھر میں صبح سے کچن میں گھسی تیاری کر۔۔۔ اوہ یہ تو سرپرائز تھا۔ "کاؤنٹر پر چڑھ کر بیٹھتے، بولتے بولتے اسکی زبان کو بریک لگی تھی۔

"امل جان سے مار دے گی مجھے "سر کے بالوں میں ہاتھ پھیرتے اسے اپنی زبان کے پھسلنے کا افسوس ہو رہا تھا۔ انمول سر جھٹک کر مسکراتی رہی۔

"اچھا آپ اسے مت بتائیے گا کہ میں نے آپ کو بتا دیا ہے ویسے بگ برو نے بھی برتھ ڈے گفٹ بھیجا ہے آپ کے لئے۔"

"کس کے لئے گفٹ بھیجا ہے بھئی ڈاکٹر صاحب نے؟"

وہ دونوں چونک کر متوجہ ہوئے تھے۔ کچن کی دہلیز پر وقاص کھڑا مسکرا رہا تھا۔ برہان جو انمول کے پاس ہی کاؤنٹر پر چڑھ کر بیٹھا ہوا تھا اتر کر مسکراتا ہوا وقاص کی طرف بڑھتا اب اس سے حال احوال پوچھ رہا تھا۔

"ہاں تو کوئی گفٹ کی بات ہو رہی تھی۔" وہ ہلکے پھلکے انداز میں پوچھ رہا تھا مگر اس کے پیچھے چھپی کاٹ نے انمول کا دل بے چین کیا تھا۔

" آپی کا برتھ ڈے ہے نا آج۔اسی کے بارے میں بات ہو رہی تھی۔" برہان اسے بتاتے بتاتے رکا۔

" آپ کو تو پتہ ہی ہو گا۔" وہ بے ضرر سا مسکرایا، وقاص نے اپنے کام میں مگن انمول کو دیکھا۔

"نہیں بھئی ہم اتنے اہم کہاں جو یہ ہمیں بتاتیں۔مجھے تو اب تمہارے منہ سے سن کر پتہ چلا ہے۔" اس کے خوش گوار انداز میں چھپا طنز وہ تو پا گئی تھی مگر برہان نہیں سمجھ پایا تھا وہ اسے مذاق ہی سمجھا تھا تبھی ہلکا سا ہنس دیا۔

" آپ نے تو اہم ہونے میں اب سب کو پیچھے چھوڑ دیا ہے وقاص بھائی۔"

"چائے تیار ہے۔باہر چل کر بیٹھیں میں لا رہی ہوں۔" انمول نے اس موضوع سے جان چھڑانا چاہی۔

چائے اس نے سب کے ساتھ باہر بیٹھ کر پی تھی۔

"وقاص بھائی میں آپی کو لینے آیا ہوں۔"

"اچھا۔" چائے کا سپ لیتے وہ خوش دلی سے مسکرایا۔ انمول پہلو بدل کر رہ گئی۔ اس کا کچھ پتہ نہیں چلتا تھا کب کیا کہہ دے، اور برہان کے سامنے کوئی بھرم وہ ٹوٹنے دینا نہیں چاہتی تھی۔

"کیوں نہیں بیٹا۔ ہماری طرف سے تو کوئی اعتراض نہیں۔" ناہید نے بھی خوش مزاجی سے کہتے اپنا حصہ ڈالا۔

"اب دیکھو نا۔ مجھے کتنا بھی جوڑوں کا درد ہو مجال ہے جو میں نے کبھی انمول کو کہیں آنے جانے سے روکا ہو۔ میں تو کہتی ہوں بس بچے خوش رہیں۔ ہمارا کیا ہے آج ہیں کل نہیں ہوں گے۔"

برہان نے انکی بات پر انمول کو دیکھا تھا وہ اسے اپنی طرف دیکھتا پا کر بے دلی سے مسکرا دی۔

"جی بالکل آپی کو آپ کو احساس ہے تبھی تو ہمارے اتنے اصرار پر بھی رہنے نہیں آتیں ۔ہمیشہ یہی کہتی ہیں امی کی طبیعت ٹھیک نہیں رہتی۔اور ویسے بھی انہیں عادت ہے خود سے جڑے رشتوں کی پرواہ کرنے کی پھر بھلے اپنی ذات کہیں بہت پیچھے کیوں نہ رہ جائے۔"

لاابالی سابرہان اس وقت اسکے حق میں بولتا انمول کو کس قدر بردبار اور سنجیدہ سالگا تھا۔نجانے کیوں اسکی آنکھیں ہلکی سی نمی سے تر ہو گئی تھیں۔بہت عرصے بعد کسی کو یوں اپنے حق میں بولتے سن کر دل بھیگ سا گیا تھا۔

ناہید اسکے چہرے کے تاثرات دیکھ کر کھسیانے سے انداز میں خجل سی مسکرادیں۔صاف لگ رہا تھا اسے انکا یہ کہنا پسند نہیں آیا تھا۔

"ارے بیٹا لگتا ہے تم تو برا ہی مان گئے۔میں نے تو ایسے ہی ایک بات کہی تھی۔"

"نہیں امی۔میں نہیں جارہی۔برہان کو میں خود ہی منع کرنے والی تھی۔" انمول کے کہنے پر برہان نے خفا نظروں سے اسے دیکھا۔وہ ساتھ بار بار اپنا دوپٹہ ماتھے پر سے ٹھیک کرتی جاتی تھی۔

"ہاں انمول تم نے بتایا نہیں برہان کو ہمارا آج رات ڈنر باہر کرنے کا ارادہ ہے۔" وقاص نے اچانک سے کہا تو برہان کے بھینچے جبڑوں کے تناؤ میں کچھ کمی آئی۔

"اچھا آپکا اپنا کوئی پروگرام ڈن ہے تو پھر کوئی بات نہیں۔"

اب کی بار اس نے بات ختم کردی تھی۔پھر تھوڑی ہی دیر بیٹھ کر وہ اٹھ کھڑا ہوا۔انمول اسے چھوڑنے گیٹ تک آئی تھی۔وقاص بھی ساتھ تھا اور تخت پر بیٹھی ناہید کی نظریں بھی انہیں پر جمی تھیں۔وہ انمول کے سر پر ہاتھ پھیرتا چلا تو گیا تھا مگر اسکے چہرے پر صاف نظر آرہا تھا وہ کس قدر بے اطمینانی کا شکار ہو کر گیا تھا۔

عجیب ڈرامے ہیں۔ارے کوئی نکی کاکی تھوڑی ہے جس کی سالگرہ منائی جائے گی۔ہم نے تو کبھی نہیں کیے یہ چونچلے۔"

وہ برتن اٹھارہی تھی اور اسکی ساس ببانگ دہل اپنی رائے کا اظہار کررہی تھیں۔وقاص کن اکھیوں سے اسکا سپاٹ چہرہ دیکھتے شرٹ کے بازو فولڈ کرتا صحن میں بنے واش بیسن کی طرف بڑھ گیا تھا۔

"امیروں کے ڈرامے اماں اور کچھ نہیں۔"نخوت سے سر جھٹکتے وہ صابن ہاتھوں پر مل رہا تھا۔

انمول برتن اٹھاکر کچن میں چلی گئی تھی۔اس نے کل سے وقاص سے بات چیت بند کررکھی تھی مگر دوسری طرف پرواہ بھی کسے تھی۔

"تمہاری بیوی کے بھی بڑے نخرے ہیں۔کل سے مجال ہے جو مجھے بھی بلایا ہو۔منہ لٹکا کر گھوم رہی ہے۔"

ناہید نے نیا اعتراض اٹھایا۔

"مجھے منہ ٹھیک کرنا آتا ہے اماں۔ یہ نخرے یہاں نہیں چلے گے۔ ایسی عورتوں کو ایسے ہی قابو کیا جاتا ہے۔ پتہ نہیں کیا جادو کیے ہوئے ہیں کہ ایک بھائی وہاں انگلینڈ سے برتھ ڈے گفٹ بھیج رہا ہے اور دوسرا یہاں آکر اسکے حق میں آواز بلند کر رہا ہے۔"

تولیے سے منہ اور ہاتھ خشک کرتے وہ ماں طرف آیا تھا۔ اور اسکی گوہر فشانی سن کر غصے سے سرخ پڑتی رنگت لئے وہ سنک میں برتن پٹخنے کے انداز میں رکھتی تیزی سے باہر نکلی۔

"اپنی زبان کو لگام دیں وقاص۔ کل بھی بنا بات کے میں نے آپ کی اتنی سن لی تھی تو اسکا یہ مطلب نہیں کہ آپ سب کے سامنے یوں مجھے ذلیل کریں گے۔ کیسی عورت؟ ایک ہی بار بتا دیں مجھے آپ میں کیسی عورت ہوں۔ اگر اتنی ہی بدشکل، آوارہ، بے حیا ہوں تو رکھا کیوں ہوا ہے مجھے اپنے گھر میں آپ نے؟"

آواز میں ناگواریت لئے وہ اسکے سامنے آکھڑی ہوئی تو وقاص کے ساتھ ساتھ ناہید بھی ٹھٹک کر اسے دیکھنے لگیں۔ بھلا وہ بولتی ہی کب تھی۔

"بہت زبان نہیں چلنے لگی ہے تمہاری۔اس طرح آئندہ بات کی مجھ سے تو زبان کاٹ کر ہاتھ پر رکھ دوں گا۔"

وقاص اسے مارنے کے لئے دھاڑتا ہوا آگے بڑھا تھا جب ناہید نے بیچ میں آکر اسے روکا ۔انمول بناڈرے یوں ہی تن کر کھڑی رہی تھی۔ہر خوف سے عاری آنکھیں وقاص پر گڑھی تھیں۔

"دیکھیں اب کیسے دیکھ رہی ہے یہ مجھے۔"وہ ایک بار پھر سے اسکی طرف لپکا تھا۔

"ہائے ہائے۔۔پاگل واگل ہو گے ہو تم لوگ۔پرے ہٹو وقاص،اور تم بھی بہو جاؤ یہاں سے ۔"

اسے بازو سے پکڑ کر پیچھے کھینچتے انہوں نے دونوں کو کہا تھا۔حالات کی سنگینی نے ایک پل کے لئے انہیں بھی بوکھلا کر رکھ دیا تھا۔

انمول ایک تیز نگاہ اس پر ڈال کر اندر کچن میں گم ہو گئی تھی۔

وقاص بک بک کرتا گھر سے ہی باہر نکل گیا تھا۔اس نے بھی کوئی خاطر خواہ اثر نہیں لیا تھا ۔اک بے حسی تھی جو اسکے وجود کے گرد لپٹتی چلی گئی۔اسی رات اسے برہان کی کال آئی تھی۔

"آپی آپ خوش تو ہیں ناں وہاں۔کوئی مسئلہ؟پتہ نہیں کیوں میں جب سے وہاں سے آیا ہوں مجھے اچھا فیل نہیں ہو رہا۔"

وہ بہت الجھا ہوا لگتا تھا اور ڈسٹرب بھی۔

"کیا ہو گیا ہے برہان سب ٹھیک ہے۔اب اپنے ان نادر خیالات کا اظہار امی کے سامنے کر کے انہیں مت خواہ مخواہ کی ٹینشن دیتے پھرنا۔"

اور یہ وہ واحد خدشہ تھا جو اسے کچھ کہنے نہیں دیتا تھا۔ندرت نے اسکے لئے بہت کچھ کیا تھا۔وہ انہیں اس گلٹ سے بچانا چاہتی تھی کہ باوجود اسکے کہ وہ اسکا بھلا چاہتی تھیں مگر وہ اسکے لئے ایک غلط فیصلے کا ارتکاب کر بیٹھی ہیں۔

وہ اس رشتے میں بندھ کر خوش نہیں تھی، سکون بھی اسکے حصے میں نہیں آیا تھا مگر دوسروں کو بے سکونی سے بچانا چاہتی تھی۔

"آپ ہم سے کچھ چھپا تو نہیں رہیں۔" وہ مشکوک ہو رہا تھا۔

"میں کیا چھپاؤں گی برہان اور کیوں چھپاؤں گی؟ اور تم سب سے چھپاؤں گی کیا؟"

آنکھوں میں اڈتی نمی کو گلے میں گھلنے سے بچاتی وہ ہشاش بشاش آواز میں کہتی اسے مطمئین کرنے کی سعی میں تھی۔ کچھ دیر کے لئے وہ بالکل خاموش ہو گیا تھا۔

"آپی۔"

"جی کرے آپی۔"

اسے آج برہان پر جی بھر کے پیار آیا تھا۔ وہ چھوٹا تو بڑا ہو گیا تھا۔

"میں آپکا بھائی ہوں ناں؟"

"یہ کیسا سوال ہے۔ تم میرے بھائی ہو اور ہمیشہ رہو گے بچے۔"

"تو وعدہ کریں آپ کو کبھی بھی کوئی بھی پریشانی آئی تو اپنے بھائی کو ضرور بتائیں گی۔" وہ بے چین سا لگتا تھا۔ انمول نے گال پر پھسل آتے واحد آنسو کو ہاتھ کی پشت سے رگڑ کر صاف کیا تھا۔

"تمہیں نہیں بتاؤں گی تو کسے بتاؤں گی۔" اس نے حفیف سا ہنس کر کہتے اسکے مان کا مان رکھا تھا۔

پھر وہ کچھ دیر اس سے بات کرتا رہا تھا۔ ابھی اس نے کال کاٹی ہی تھی کہ ڈور بیل بجی تھی۔ آنے والا وقاص ہی تھا وہ جانتی تھی کچھ دیر ہی گزری تھی جب اسکے موبائل پر بیپ ہوئی تھی، وقاص کی کال تھی وہ لیٹ آتا تو یوں ہی کال کر کے دروازہ کھلوایا کرتا تھا۔

انمول نے موبائل رکھ کر جا کر دروازہ کھولا تھا۔ وہ اندر داخل ہوا تو پیچھے دروازہ بند کرتی وہ آگے بڑھنے لگی جب اسکی آواز نے اسکے قدم روک دیے تھے۔

"کھانا گرم کرو بہت بھوک لگی ہے۔" کہتے ہوئے وہ صحن میں بنے واش بیسن کی طرف بڑھا تھا ۔انمول اسے دیکھتی رہ گئی، کوئی احساس ندامت، اپنے کیے کا افسوس، اپنے الفاظ پر ملال، واش بیسن پر جھکے منہ دھوتے شخص کے انداز و اطوار میں مفقود تھا۔وہ تو یوں بات کر رہا تھا جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔ ہر بار ایسا ہی ہوتا تھا وہ اسکا دل دکھاتا، اپنے الفاظ سے، اپنے رویے سے اور پھر بنا کسی معافی تلافی کے پھر سے پہلے جیسا ہو جاتا۔ مگر اس بار کی بات اتنی چھوٹی تو نہیں تھی جسے یوں ہی جانے دیا جاتا۔

انمول کو وہیں بت بنا کھڑا دیکھ کر وہ نل بند کرتا اسکی طرف بڑھا تھا۔

"کیا ہوا؟ کچھ کہہ رہا ہوں میں۔ سنائی نہیں دیا کیا؟"

وہ سراپا سوال بنا کھڑا تھا۔ انمول نے اسے نظر انداز کیے آگے بڑھنا چاہا تھا رخ کمرے کی جانب تھا۔ یہ اک خاموش پیغام تھا اپنی ناراضگی ظاہر کرنے کا۔ اس بار وہ اس بات کو ایسے ہی نہیں جانے دینا چاہتی تھی۔ چند قدم لے کر وہ آگے بڑھی ہی تھی کہ وہ پیچھے آندھی طوفان بن کر لپکتا اسکی کہنی سے اسے درشتی سے تھام کر روک گیا۔

"کہاں جارہی ہو؟ کچن اس طرف ہے۔"

اسکی سرسراتی آواز میں واضح جھڑک تھی۔ اور چہرے پر پھیلا سخت تاثر سنگین نتائج کی خبر داری کررہے تھے۔ انمول ایک پل کے لئے کمزور پڑی مگر نہیں۔ اگر عزت سے سر اٹھا کر جینا تھا تو یہ ضروری تھا۔ اسے احساس دلانا ضروری تھا کہ کس طرح اسکے الفاظ اسکی روح کو چھلنی کردیا کرتے تھے۔ وہ پیچھے نہیں ہٹ سکتی تھی۔

تمام ہمتیں مجتمع کرتے ہاتھ بڑھا کر اس نے وقاص کا ہاتھ اپنی بازو پر سے ہٹایا تھا۔

"میں اتنی ہی بری ہوں تو میرے ہاتھ کا پکا کھانا کیسے حلق سے اتار لیتے ہیں آپ؟ اصولاً تو پھر آپ کو میری شکل تک دیکھنے کا روادار نہیں ہونا چاہیے۔ آپ اتنی جلدی سب بھلا کر پھر سے پہلے جیسے کیسے بن جاتے ہیں وقاص؟"

وہ جس انداز میں پوچھ رہی تھی وقاص جیسے مرد کی نام نہاد مردانہ انا پر انجانے میں وار کر بیٹھی تھی۔ اسکا لب ولہجہ، یہ بغاوت سے پر انداز اسکے لئے تذلیل کا باعث بن رہے تھے۔

"تواب تم مقابلے پر اتر آئی ہو؟" وہ زہر خند سا مسکرایا۔ انمول نے سر نفی میں ہلایا۔

"اللہ نہ کرے مجھ پر کبھی ایسا وقت آئے کہ میں اتنی گر جاؤں کہ آپ کے مقابلے پر اتر آؤں ۔" اسکا انداز بھلے عام سا تھا مگر اس میں چھپا مفہوم بڑا واضح اور صاف تھا۔ وقاص کا چہرہ غصے سے پل پل رنگ بدل رہا تھا۔ ہاتھ کی مٹھیاں بار بار بھینچ کر کھولتا ایسے لگتا تھا وہ کسی بھی وقت اپنا ضبط کھو بیٹھے گا۔ اور ایسا ہی ہوا تھا۔ اگلے ہی پل وہ دونوں ہاتھوں سے اسکی گردن دبوچ چکا تھا۔

"بہت زبان چلنے لگی ہے ناتمہاری۔ میں نے منع بھی کیا تھا سنبھالو اسے۔ مگر تم نے اثر نہیں لیا ڈھیٹ عورت۔ اب میں تمہیں بتاؤں گا تم جیسی بیوقوف عورتوں کو کیسے سیدھا کیا جاتا ہے۔"

اسکی گردن پر متواتر اپنے ہاتھوں کا دباؤ بڑھاتے وہ دبی دبی آواز میں چینخا تھا۔ انمول نے گھٹتے سانس اور وحشت سے پھیلتی آنکھوں کے ساتھ اسکے ہاتھوں پر اپنے ہاتھوں کی کمزور گرفت کرتے خود کو اسکے ظالم شکنجے سے آزاد کروانا چاہا تھا مگر ایسا ممکن نہیں تھا۔ آنکھوں سے ابلتے آنسوؤں کے ساتھ وہ چاہ کر بھی آواز نہیں نکال پا رہی تھی، یہاں تک کہ وہ کھانس بھی نہیں پا رہی تھی۔ برآمدے میں جلتے بلب کی روشنی میں وقاص نے اسکے نیلے پڑتے ہونٹوں کو دیکھ کر

ہاتھوں کا دباؤ کم کرتے اسکا گلہ چھوڑا تو وہ دونوں ہاتھ اپنی گردن کے گرد لپیٹتے کھانستے ہوئے دوہری ہوتی چلی گئی۔ آنسوؤں کی اک لڑی تھی جو اسکی آنکھوں سے بہتی گالوں پر پھسلتی جاتی تھی۔

گہرے گہرے سانس لیتی وہ اپنے بچ جانے کا یقین خود کو دلا رہی تھی۔

"اب بولو آئندہ زبان چلاؤ گی میرے سامنے۔" دونوں ہاتھ پہلو پر رکھے وہ غرایا تھا۔ انمول نے خوف وہراس سے بھری آنکھوں کے ساتھ سر نفی میں ہلایا تھا۔ اسکی ساری خود اعتمادی ،ساری بہادری چند لمحوں کی اس اذیت میں کہیں کھو گئی تھی۔

"گڈ۔ اب کچن میں جاؤ اور کھانا لے کر آؤ۔ بڑی بھوک لگی ہوئی ہے۔" فاتحانہ نظروں سے اسے دیکھتے کہتا وہ آگے بڑھ گیا تھا۔ اسکے جانے کے بعد اسکے گلے سے دبی دبی سی سسکاری نکلی تھی۔ اپنے زندہ بچ جانے کا یقین پاتے وہ پاؤں گھسیٹتی کچن کی جانب چل دی تھی۔

....

یہ دو دن بعد کا واقعہ تھا۔وہ گھر پر اکیلی تھی ناہید حسب معمول صبح کی نکلی ہوئی تھیں،ڈور بیل پر اسے انہی کا گمان ہوا تھا۔وہ تیزی سے آئی کچن سے نکل کر آئی تھی کہ ذرا سی دیر پر وہ واویلا مچادیا کرتی تھیں۔

"کون ہے؟"

کنڈی پر ہاتھ رکھے اسکے ذہن میں نجانے کیا سمائی کہ پوچھ بیٹھی۔

"بھابھی میں ساتھ والے گھر سے ہوں۔میرا ایک کبوتر اڑ کر آپ کی چھت پر آگیا ہے میں وہی لینے آیا ہوں۔"

آواز غیر مانوس تھی مگر دو دن پہلے کا واقع ابھی ذہن کی تختی پر اس حد تک تازہ تھا کہ اسکا حلق تک کڑواہٹ کا شکار ہو گیا۔

"آپ بعد میں آجایئے گا جب وقاص گھر پر ہوں۔" کہتے ہوئے اسکی آواز میں سختی سی در آئی تھی۔

کوئی جواب موصول نہیں ہوا تھا وہ مڑی تھی، بمشکل کچن کی دہلیز تک گئی کہ جب دوبارہ بیل بجی تھی۔ اسے جی بھر کے غصہ آیا تھا۔ ایک تو اس دن اس لفنگے کی وجہ سے بے وجہ تماشہ لگا تھا اب وہ گھر کی چوکھٹ تک آگیا تھا۔ اسکا کوئی قصور نہ ہوتے ہوئے بھی ناہید یا وقاص کو پتہ چلتا تو نیا ڈرامہ لگ جانا تھا۔

"میں نے کہا تو ہے آپ سے بعد میں آیئے گا۔"

"دروازہ کھولو۔"

جواب میں جو آواز موصول ہوئی تھی اسے صحیح معنوں میں سانپ سونگھ گیا تھا۔ اکثر ہم جس چیز سے خوف زدہ ہوتے ہیں وہی ہمارے تعاقب میں ہوتی ہے اور انمول کے ساتھ اس وقت کچھ ایسا ہی ہوا تھا۔

اس کا دل ڈوبنے لگا تھا۔ جی کڑا کر کے دروازہ کھولا تو ماتھے پر پسینے کی بوندیں بڑی واضح تھیں۔

وقاص دندناتا ہوا اندر داخل ہوا تھا۔انمول نے چور نظروں سے اسے دیکھا اور دروازہ بند کر دیا۔

"سچ سچ بتاؤ کب سے چل رہا ہے یہ چکر؟"

وہ آہستہ آہستہ چلتی اس تک آئی تو وہ دونوں ہاتھ پہلو پر جمائے، پھولے نتھنوں کے ساتھ دھاڑا۔

انمول نے ناسمجھی بھرے انداز میں اسے دیکھا تھا۔

"یوں بھولی مت بنو۔اسی سے ملاقاتیں ہوتی تھیں نا چھت پر کپڑے پھیلانے کے بہانے۔دو دن نہیں گئی تو وہ گھر کی چوکھٹ تک آگیا۔پہلی بار آیا ہے یا پہلے بھی آتا رہا ہے۔"

اسکی کہنی کے ذرا اوپر سے بازو سختی سے اپنی گرفت میں لیتے وہ جھنجھوڑ کر پوچھ رہا تھا۔انمول کی آنکھیں مارے وحشت کے پھیلتی چلی گئیں۔وہ گم صم سی کھڑی اسکے بگڑے تیور دیکھ کر رہ گئی۔کوئی اس حد تک کیسے گر سکتا تھا؟

الزام اس قدر بڑا تھا کہ جواب میں کچھ کہنے کی چاہ کے باوجود اسکی زباں تالو سے چپک کر رہ گئی تھی۔

"یوں دیدے پھاڑ کر کیا دیکھ رہی ہو۔رنگے ہاتھوں پکڑا ہے تمہیں میں نے۔اس دن کیسے چھت پر صاف مکر گئی تھی مگر آج میں نے خود اسے ہمارے گیٹ کے باہر کھڑا دیکھا ہے اور تم بھی کیسے کہہ رہی تھی بعد میں آنا۔اب یوں ڈرامے بازی مت کرو میرے سامنے۔"

وہ جو منہ میں آرہا تھا بولتا جارہا تھا اور انمول زرد پڑتی رنگت کے ساتھ اسکے لگائے الزامات کی بوجھاڑ میں پور پور عرق آلود ہوتی جارہی تھی۔

وقاص نے اسے دھکا دینے کے انداز میں پیچھے دھکیلا تھا وہ دو قدم پیچھے ہوتی ذرا سا لڑکھڑائی تھی۔اور جیسے عالَم بیداری میں قدم رکھا تھا۔

"کیا بول رہے ہیں آپ وقاص۔ذرا لحاظ نہیں آپ کو آپ کس کے بارے میں،اور کیا بول رہے ہیں۔بیوی ہوں میں آپ کی۔"

صدمے بھری بے یقینی لئے اسکی آواز لرز گئی تھی۔

"بیوی ہو مگر ہو تو نیچ ذات ہی ناں۔ تم لوگوں کو عزت، شرم وحیا سے کیا لینا دینا۔ ہر ایرے غیرے کے ساتھ چکر چل رہا ہوتا ہے تم لوگوں کا۔ بڑے گھر میں رہی ہو تو کیا ہوا خصلتیں تو وہیں ہیں نا تمہاری بھی۔"

"بس ایک لفظ نہیں اور۔۔۔" انگلی اٹھا کر اسکی طرف تانے وہ یوں چلائی تھی کہ گلے میں خراش پڑ گئی تھی۔

"بہت سن لی آپ کی میں نے۔ اتنی ہی بے شرم اور بے حیا ہوں میں آپ کی نظر میں تو عزت سے چھوڑ دیں مجھے جیسے اللہ نے کہا ہے یوں بات بے بات بنا کسی قصور کے بہتان بازی کیوں کرنے لگ جاتے ہیں آپ۔ اب کوئی گلی میں سے گزرے تو اس میں بھی میں قصوروار ہوں کیا ؟ آپ ایک ایسے شخص کے لئے مجھ پر تہمت لگا رہے ہیں جسے میں جانتی تک نہیں۔ کوئی اتنا کیسے گر سکتا ہے کہ اپنی ہی بیوی کے کردار پر بنا کسی ثبوت کے انگلی اٹھائے۔"

اس رات کے بعد وہ آج پھر یوں بے خوف و خطر بولی تھی۔اپنے کردار پر بات آئی تو اس سے چپ رہا نہیں گیا تھا۔اور بدلے میں وقاص نے اسے بری طرح سے زدو کوب کیا تھا۔ تھپڑ ،گھونسے،لاتیں کون سا حربہ تھا جو آزمایا نہ گیا تھا۔اسے مارتے ہوئے ساتھ ساتھ گالیاں بھی منہ سے اگل رہا تھا۔اسے بے حیائی،بدکرداری اور گندگی کا سرٹیفیکیٹ دیا گیا تھا۔

ناہید نے باہر تک جاتی اسکی آواز پر بنا کنڈی کے بند دروازہ کھول کر تیزی سے قدم اندر بڑھائے تھے۔جہاں وہ جانوروں کی طرح اسے پیٹ رہا تھا۔ہاتھ سینے پر مارتے وہ تیزی سے آگے بڑھیں۔

"کیا ہو گیا ہے وقاص۔کیوں پاگل ہو گئے ہو۔"

زمین پر بے حال سی بیٹھی انمول کے پاس بیٹھتے اسے کندھوں سے تھام،ناہید نے بیٹے کو جھڑکا تھا جو آپے سے باہر ہوا ہانپ رہا تھا۔

"سنبھال اسکو اماں۔اسکے یار اب ہمارے دروازے تک آگئے ہیں۔"

ماتھے پر بکھرے بال طیش کے عالَم میں پیچھے کرتے وہ بولا کم دھاڑا زیادہ تھا۔

"ناہید نے بت بنے انمول کے وجود سے نظر ہٹا کر بیٹے کو دیکھا تھا۔

"کیا اول فول بک رہے ہو؟" انکی آواز میں واضح ناپسندیدگی تھی۔

" صحیح کہہ رہا ہوں میں۔ یہ ساتھ والے ولید کے ساتھ چکر چل رہا ہے اسکا۔ اماں تم بھی بس پورے محلے کی کن سوئیاں لگانے نکل پڑا کرو اور اپنے گھر میں کیا ہو رہا ہے کچھ پتہ نہیں تمہیں "۔

وہ اب ماں پر بگڑ رہا تھا۔ ناہید بات خود پر آتی دیکھ کر پہلو بدل گئیں۔

"ایسی لگتی تو نہیں ہے۔" انمول کے بے حس و حرکت وجود کو عجیب نظروں سے دیکھتے ناہید نے کہا تھا۔

"اسکی بھولی شکل پر مت جاؤ اماں۔ میں نے خود دو بار اسے اسکے ساتھ دیکھا ہے۔ پہلے چھت پر کپڑوں کے بہانے ملاقاتیں ہوتی تھیں اب نوبت گھر کے دروازے تک پہنچ آئی ہے۔ وہاں

شادی سے پہلے نجانے کتنوں کو پھنسا رکھا ہو گا۔ اتنی ہی اچھی اور پاک دامن ہوتی تو ندرت آنٹی اسے اپنے بیٹے کے لئے نہ بیاہ لیتیں۔"

ناہید نے حیرانگی بھری بے یقینی سے ہاتھ اپنے ہونٹوں پر رکھ لئے تھے۔ اسکا شوہر اسکی ذات کو ادھیڑ کر تیا پانچہ کرنے میں لگا تھا اور وہ چہرے پر بکھرے بالوں اور اپنے پیروں میں رلتے اپنے دوپٹے کے ساتھ یوں بیٹھی تھی جیسے اسکی نہیں کسی اور کی بات ہو رہی ہے۔ اتنے الزامات کی بوچھاڑ اور مار کھانے کے باوجود بھی اسکی آنکھ سے ایک آنسو تک نہ گرا تھا۔

اس رات پہلی بار اسے احساس ہوا تھا وہ ایک بند غار میں آ کھڑی ہے، جہاں روشنی کی کوئی رمق نہ ہے اور نہ ہی آگے چل کر ہونی ہے۔ اس رشتے سے اپنی سبھی امیدیں وہ کھو چکی تھی۔ اور پہلی بار اسے لگا تھا اسے ندرت کو یہ سب بتا دینا چاہیے۔ وقاص کمرے میں نہیں تھا۔ اس نے درد سے ٹوٹتے وجود کے ساتھ تیزی سے اپنا موبائل تلاشا تھا۔ بیڈ سائیڈ ٹیبل پر سے موبائل اٹھاتے، سکرین پر حرکت کرتی انگلیوں کی کپکپاہٹ بڑی واضح تھی۔ بیل جا رہی تھی۔ اور

موبائل کان سے لگا کر وہ بے چینی سے کال اٹھائے جانے کی منتظر تھی۔اسکی آنکھوں سے آنسو ندرت کا خیال آتے ہی بہنے لگے تھے۔

دوسری طرف سے کال پک کرلی گئی تھی۔ندرت اسے پکار رہی تھیں اور اس کے گلے سے چاہ کر بھی آواز نہیں نکل پا رہی تھی۔

"انمول کیا ہوا بیٹا۔تم رو رہی ہو کیا؟"اسکی دبی دبی سسکیوں کی آواز پر دوسری جانب بے کلی سی عود آئی تھی۔

تبھی کسی نے پیچھے سے اسکے ہاتھ سے موبائل جھپٹنے کے انداز میں لے لیا تھا۔وہ سہم کر مڑی تھی۔وہ وقاص تھا۔

"اسلام علیکم آنٹی۔کیسی ہیں آپ؟"اسے خون آشام نظروں سے دیکھتا وہ مؤدب سے انداز میں بولا۔انمول کا خون خشک ہونے لگا تھا۔

"وعلیکم سلام۔میں ٹھیک ہوں بیٹا۔انمول کو کیا ہوا ہے۔وہ رو رہی ہے کیا؟"

"نہیں آنٹی رو نہیں رہی۔ اسکی طبیعت خراب ہے کچھ نزلا زکام اور یہی موسمی بخار۔ آواز بھی بیٹھی ہوئی ہے بولنے میں بڑی دشواری ہو رہی ہے۔ آپ سے بات کرنا چاہ رہی تھی مگر بول نہیں پا رہی ٹھیک سے۔ وہ دراصل یہ بتانا چاہ رہی تھی کہ میں اور انمول کل ایک ہفتے کے لئے کراچی جا رہے ہیں۔ مجھے آفس کا کچھ کام ہے اور انمول سے میں نے کہا ہے تم بھی ساتھ چلو ذرا گھوم پھر آؤ گی۔ ہوا پانی بدلے گا تو طبیعت پر بھی اچھا اثر پڑے گا۔"

وہ کمال مہارت سے جھوٹ پر جھوٹ بولتا جا رہا تھا۔ انمول وہیں نیچے زمین پر بیٹھتی چلی گئی۔ پہلے ہی اسکا پورا وجود درد سے ٹوٹ رہا تھا۔ اور اب وقاص نے نجانے اسکی اس غلطی پر کیا سزا تجویز کرنی تھی۔ خوف وہراس سے فق ہوتی رنگت کے ساتھ وہ نیم جان ہوتی چلی گئی۔

ندرت نے نجانے آگے سے کیا کہا تھا۔ وقاص نے کال کاٹ کر اسکا موبائل بیڈ پر پھینکا اور خود پیروں پر وزن ڈالتے اسکے سامنے بیٹھا۔ ایک ہی جھٹکے میں اسکے بالوں کو گردن کے پیچھے سے اپنی مٹھی میں جکڑا تھا۔ وہ کراہ بھی نہ سکی۔ سختی سے آنکھیں میچ لیں۔

"کیا کرنے جا رہی تھی ہاں؟ آئندہ اگر ایسا کچھ کرنے کی کوشش کی تو یاد رکھنا تمہیں جان سے مار کر یہی زمین میں گاڑھ دوں گا اور کسی کو کانوں کان خبر تک نہیں ہو گی۔ جب تک تمہارے نام نہاد گھر والے آئیں گے تم اس دنیا سے کوچ کر چکی ہو گی اور انہیں میں ایک اور ہی کہانی سناؤں گا۔ جانتی ہو کیا؟ کہ تم اپنے کسی عاشق کے ساتھ گھر سے بھاگ گئی ہو۔ تمہارے گھر والے کسی کو منہ دکھانے لائق نہیں رہیں گے۔ سمجھی تم؟"

اسکے بالوں کو ایک جھٹکا دیتے اسکی تائید چاہی تو وہ روتے ہوئے خوف سے پیلی پڑتی سر اثبات میں ہلا گئی۔

اس دن انمول نے جانا تھا جسمانی سزا انسان کے ذہن و سوچ کو کس طرح مفلوج کر کے رکھ دیتی ہے۔

اس کے بعد اس نے کب کب وقاص سے مار کھائی تھی اور کس کس بات پر کھائی تھی وہ شمار کرنا بھول گئی تھی۔ وقاص نے اسکا موبائل بھی ضبط کر لیا تھا۔ اپنی موجودگی میں وہ چند دن بعد اسکی ندرت سے بات کروا دیا کرتا تھا۔ وہ اک عالم برزخ میں قید ہو کر رہ گئی تھی جہاں اسکی

ذہنی وجسمانی حالت دن بدن ابتر ہوتی جارہی تھی۔وقاص کاڈر اسکے ذہن ودل پر کچھ یوں سوار ہوا تھا کہ وہ اسکے ہاتھ کی اک بے جان کٹھ پتلی بن کر رہ گئی تھی۔وہ کہتا تو کھاتی،وہ کہتا تو اٹھتی،بیٹھتی۔

ندرت سے ملنے وہ پہلے بھی کم جاتی تھی اب تو اسکا جانا نہ ہونے کے برابر ہو گیا تھا۔وہ بھی زیادہ اصرار نہیں کرتی تھیں کہ وہ اپنے گھر میں مگن ہے تو اس سے اچھی اور بھلا کیا بات ہو سکتی ہے۔

انمول کو لگتا تھا اب اس قید سے رہائی تمام عمر ناممکن ہونے والی ہے۔اور تبھی قسمت نے ایک در اسکے لئے کھول دیا تھا۔براق انصاری واپس آگیا تھا۔

....

براق کو واپس آئے کہیں دن ہو گئے تھے۔انمول ابھی تک اس سے ملنے نہیں گئی تو اس نے خود ہی اس سے ملنے جانے کا قصد کیا تھا۔مگر وہ یوں ملے گی یہ اسکے وہم وگمان میں بھی نہیں تھا۔

ڈور بیل بجنے پر مشین سے کپڑے نکالتی انمول دوپٹے سے ہی ہاتھ صاف کرتی دروازے کی جانب بڑھی تھی۔ناہید وہیں باہر تخت پر لیٹی اونگھ رہی تھیں،ڈور بیل پر مندی مندی آنکھیں کھول کر دیکھنے لگیں۔

انمول نے دروازہ کھولا تھا اور سامنے براق کو دیکھ کر وہیں برف کے مجسمے میں ڈھل گئی تھی۔وہ جانتی تھی وہ واپس آچکا ہے مگر اسے یوں اچانک سے سامنے موجود پا کر اسکے سبھی احساسات منجمد ہو کر رہ گئے تھے۔وائٹ ٹی شرٹ اور بلیو جینز میں ملبوس وہ ہمیشہ کی طرح پیار الگ رہا تھا ،اسے سامنے پا کر مسکرانا چاہا تھا مگر اسکی حالت دیکھ کر مسکراہٹ میں ڈھلتے لب سکڑ گئے تھے ۔یہ وہ انمول نہیں تھی جسے وہ چھوڑ کر گیا تھا۔یہ تو کوئی اور تھی جو اس کے جیسی ہو کر بھی ،اسکے جیسی نہیں رہی تھی۔

بے رونق چہرہ،اور ڈھلتی صحت کے ساتھ بے نور آنکھیں۔

دوسری طرف اسے دیکھ کر انمول کے دل میں بس ایک خواہش جاگی تھی وہ بھی پوری شدت کے ساتھ۔وہ اسکے سامنے ڈھیر سارا رونا چاہتی تھی، کھل کر،چیخ وپکار کے ساتھ۔اتنا کہ اسکے

اندر کا سارا غبار ان آنسوؤں میں کہیں بہہ کر اسے ہلکا کر دے، اسکے سارے زخم جو اتنے عرصے میں اس نے اپنے جسم و روح پر جھیلے تھے سبھی ایک ایک کر کے اسے دکھائے، وہ ان پر اپنی مسیحائی کا کوئی منتر پڑھے اور سب ٹھیک ہو جائے۔

نجانے کب اسکی آنکھوں کے گوشے بھیگ گئے اسے پتہ بھی نہیں چلا۔ اتنے وقت سے گونگی ہوئی آنکھیں بولنے لگی تھیں، کہیں راز تھے جو وہاں دفن تھے اور وہ سارے اب وہ کھولنے لگی تھیں۔ وہ بڑی بڑی سیاہ آنکھیں براق کی آنکھوں میں ہی کہیں رہ گئیں۔

"کون ہے؟" اسے یوں ہی دروازے پر جماد یکھ کر ناہید نے آواز لگائی تھی۔ اک فسوں تھا جو چٹختا چلا گیا۔ وہ چونکی، پھر بڑی مشکل سے خود کو سنبھالتے ہونٹوں کو مسکراہٹ میں ڈھالا۔ اور وہ مسکراہٹ بھی اک عذاب تھی۔ براق نے آج سے پہلے ایسی یوں نوحہ سناتی، بین کرتی مسکراہٹ کبھی نہیں دیکھی تھی۔

"امی براق ہے۔" پیچھے مڑ کر انہیں بتاتے اسکی آواز میں بھیگے پن کے باوجود اک کھنک سی در آئی تھی۔

اسے اندر آنے کا راستہ دیتی وہ سائیڈ پر ہوئی تو وہ الجھا سا، متفکر چہرے اور دل میں پنپتے ہزار اندیشوں کے ساتھ اندر داخل ہوا تھا۔

ناہید اٹھ کر اس تک آئیں، وہ اب جھک کر ان سے ملتا حال احوال پوچھ رہا تھا۔ انمول تب تک خود پر قابو پاتی اپنی آنکھیں رگڑ کر صاف کر چکی تھی۔

وقاص بھی گھر پر موجود تھا۔ باہر سے آتی آوازوں پر اٹھ کر باہر آیا تو براق کو دیکھ کر حیرت زدہ سا آگے بڑھا۔

"ارے واہ! ڈاکٹر صاحب آئیں ہیں۔"

خوش گواریت سے کہتے وہ اس سے بغل گیر ہوا تو پیچھے کھڑی انمول کو تادیبی نظروں سے دیکھنا نہیں بھولا تھا۔ وہ تھوک نگل کر خشک پڑتا گلہ تر کرتی نظریں چرا گئی۔

"آپ لوگ آئے نہیں تو سوچا میں ہی مل آتا ہوں۔" کہتے ہوئے وہ ڈھنگ سے مسکرا بھی نہیں سکا تھا۔ کچھ تھا جو اسے کھٹک رہا تھا۔

"میں اور انمول آج شام آنے کا پلان بنا رہے تھے۔ خیر تم خود آگئے ہو اچھا کیا۔"

وہ ایک کامیاب اداکار تھا۔ اب بھی کمال مہارت سے جھوٹ گڑھ رہا تھا۔ ساتھ ہی انمول کی تائید چاہی تو وہ میکانگی انداز میں فوری گردن ہاں میں ہلا گئی۔

براق نے گردن موڑ کر اسکے عجیب سے انداز و اطوار جانچنے چاہے تھے۔

"بیٹھو نا بیٹا کھڑے کیوں ہو۔" ناہید نے اسے مخاطب کیا تو وہ انکی طرف دیکھنے لگا۔ پھر ہاتھ میں تھامے بیگز انکی جانب بڑھائے۔

"یہ آپ لوگوں کے لئے کچھ گفٹس ہیں۔"

"ارے انکی کیا ضرورت تھی بیٹا۔" آنکھوں میں چمک لئے ہاتھ وہاتھ لیتے وہ ازرائے مروت کہنا نہیں بھولی تھیں۔

"انمول ڈاکٹر صاحب کے لئے چائے پانی کا بندوبست کرو کچھ۔"

وقاص کے کہنے پر براق نے اسے ہاتھ کے اشارے سے منع کیا تھا۔

"کچھ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔میں ابھی ابھی ناشتہ کر کے نکلا ہوں۔"

"لیکن پھر بھی بیٹا ایسے کیسے بنا کچھ کھائے پیے جانے دے سکتے ہیں۔آخر تم پہلی بار ہمارے گھر آئے ہو۔جاؤ بہو کچھ تیاری کرو۔"

ناہید کے اصرار پر وہ چپ رہا تو انمول سست روی سے چلتی کچن کی طرف بڑھ گئی۔براق کی پریشان نگاہوں نے آخر تک اسکا تعاقب کیا تھا۔

کچن میں آکر بڑی مشکل سے رکے آنسوؤں نے باہر کا راستہ دیکھ لیا تھا۔چولہے پر چائے کا پانی چڑھا کر منہ پر ہاتھ سختی سے رکھے وہ آنکھیں میچ کر روتی چلی گئی۔نجانے کس کس بات پر رونا آرہا تھا۔اپنی بے بسی پر،اپنی تکلیفوں پر،یا اپنے احساس زیاں پر۔بس کب سے آنکھوں کی سوکھی جھیلیں بھر بھر سی گئی تھیں،اور وہ بہت سارا رونا چاہتی تھی۔

"ارے بیٹا تم ابھی تک یوں ہی کھڑے ہو۔ آؤ آؤ بیٹھو آرام سے۔ اسے اپنا ہی گھر سمجھو ۔"ناہید کی چاشنی میں ڈوبی آواز انمول کے کانوں میں پڑی تھی۔ اس نے تیزی سے چہرہ صاف کرتے چائے کے کھولتے پانی میں پتی اور چینی ڈالی تھی۔

سنک میں جھکتے چہرے پر پانی کے چھینٹے مارے، دوپٹے سے منہ خشک کرتی وہ چائے بنا کر باہر جب لائی تو وہ بیٹھا وقاص سے باتیں کر رہا تھا۔

"تم بھی بیٹھ جاؤ اب۔"

اسے چائے دے کر جاتے دیکھ کر براق نے بے ساختہ اسے ٹوکا۔ انمول پلٹتے پلٹتے رک سی گئی ۔ نظر کچھ پریشان حال سی وقاص کے چہرے کی جانب اٹھی تھی جو چائے کا کپ اٹھائے بظاہر مسکراتے اسے ہی کھولتی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ انمول کا دم گھٹنے لگا تھا۔

"میں آرہی ہوں تھوڑی دیر تک۔" سرعت سے کہتے وہ کچن میں گم ہو گئی۔

کچھ دیر بعد وہ لوٹی تو چپ چاپ وقاص کے ساتھ والی کرسی پر بیٹھ گئی۔ اس نے کوئی بات نہیں کی تھی۔ براق تھوڑی دیر بیٹھ کر اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ یہاں نجانے کیوں گھٹن کا سا احساس ہونے لگا تھا۔ جس وقت وہ انکے گھر کی چوکھٹ پار کر رہا تھا۔ انمول کی نظریں اسکے قدموں سے لپٹی التجا کر رہی تھیں، وہ سب کہہ رہی تھیں جو وہ زبان سے کہہ نہیں پا رہی تھی۔ براق نے بمشکل اسکے چہرے پر سے نظر ہٹائی، باہر نکل کر گلی میں چلتے وہ روڈ پر کھڑی گاڑی تک جا رہا تھا۔ مگر کچھ تھا جو اسکے دل کو کھٹک رہا تھا۔ انمول کی آنکھیں، انکی ہلکی سی نمی، اسکی بولتی خاموشی میں پنہاں کہیں سوالیہ نشان۔

اسکے گیٹ سے نکلنے کی دیر تھی۔ اس نے دروازے کی کنڈی تک نہیں آگے بڑھ کر نہیں چڑھائی تھی۔ وہ جہاں کھڑی تھی وہیں بیٹھتی، دونوں بازو گھٹنوں کے گرد باندھ، گھٹی گھٹی آواز میں رونے لگی تھی۔ آج کل اسکی ذہنی حالت اتنی ہی ابتر ہو رہی تھی۔ یوں لگ رہا تھا ایک روزن کھلا تھا اور اس نے اسے اپنے ہاتھوں سے بند کر دیا ہو۔ پاس کھڑے وقاص نے شعلہ بار نظروں سے اسے گھورا تھا۔

"اب کیوں رونا ڈالا ہوا ہے ؟"

وہ اسکے سر پر آن کھڑا ہوا۔ناہید نے منہ کے زاویے بگاڑ کر اسے دیکھا، پھر قدم اندر کی جانب بڑھادیے۔یہ سب اب اس قدر معمول کا حصہ بن چکا تھا کہ بےزاری سی ہونے لگتی تھی۔

وقاص اسکے پاس بیٹھا مصنوئی تاسف سے گردن ہلا رہا تھا۔

"تمہارا دکھ واقع ہی بڑا ہے۔رونا تو بنتا ہے،ڈاکٹر صاحب کو دیکھ کر پتہ نہیں کیا کیا یاد آیا ہو گا ۔نجانے عشق و محبت کی کتنی پینگیں ڈاکٹر صاحب کے سنگ جھولی ہوں گی تم نے، تبھی اسے سامنے دیکھ کر آنسوؤں پر قابو نہیں رہا۔ہے ناں ؟"

زہر آلود انداز میں کہتے وہ اسکے بالوں کو مٹھی میں جکڑے جھٹکا دیتا،اس پر طنز کے تیر چلا رہا تھا ،وہ اب بھی یوں ہی چہرہ چھپائے رو رہی تھی۔

دروازے میں کھڑا براق سامنے کا منظر دیکھ کر وہیں پتھر کا ہو گیا تھا۔ وقاص کی اسکی جانب پشت تھی وہ اسے دیکھ نہیں پایا تھا۔ مگر اسکے منہ سے نکلے الفاظ نے جیسے براق کے کانوں میں پگھلا ہوا سیسہ انڈیلا تھا۔

حقارت سے اسکے بالوں کو چھوڑتا وہ جیبوں میں ہاتھ ڈالے کھڑا ہوا۔

"اٹھو اب۔ اس سے پہلے کہ میرا دماغ گھومے یہ جو ماتم بچھار کھا ہے اٹھاؤ اسے ورنہ پھر میرا ہاتھ اٹھ جائے گا۔"

تو کیا وہ اس پر ہاتھ بھی اٹھاتا تھا؟ اس سے زیادہ سننے کا ظرف اس میں نہیں تھا۔ دھاڑ سے دروازہ پوری طرح وا کرتے وہ اندر داخل ہوا تھا۔ وقاص بھی اپنی جگہ چونکے بنا نہیں رہ سکا ۔انمول بھی سر اٹھا کر دیکھنے لگی، آنکھوں سے جاری جھڑی کے ساتھ اسے دیکھ کر وہ کسی بچے کی مانند بلک بلک کر روئی تھی۔

براق کو اپنی رگوں میں دوڑتا خون کھولتا ہوا محسوس ہوا تھا۔

اسے سامنے دیکھ کر وقاص کے چہرے پر سے ہوائیاں اڑی تھیں، کچھ بوکھلاہٹ کا شکار ہوتے وہ گڑبڑا سا گیا۔ براق کی نظریں انمول پر ٹکی تھیں، اس نے کبھی سوچا نہیں تھا وہ اسے ان حالوں میں دیکھے گا۔

اس سے نظر ہٹا کر، وقاص تک نظروں نے جو سفر طے کیا انکا بدلتا تاثر قابل دید تھا۔ دنیا جہاں کی سختی و ناگواری اگر کہیں تھیں تو اس وقت براق کی آنکھوں میں تھی۔

"کیا بکواس کر رہے تھے ابھی تم؟"

آپ جناب کے سبھی تکلفات اک لمحے میں ختم کرتے اسکی آواز میں کرختگی تھی۔

"یہ ہمارا آپسی معاملہ ہے تم دور رہو اس سے۔" وقاص بھی اب کہ سنبھل گیا تھا۔ جو ہونا تھا وہ تو ہو چکا۔ اب کچھ چھپانے کا فائدہ نہیں تھا۔ براق تیزی سے اسکی طرف بڑھتا اسکے بالکل سامنے، قریب سینہ تان کر آ کھڑا ہوا تھا۔ انداز مرنے مارنے جیسا تھا۔

"آپسی معاملہ ؟تم مجھے درمیان میں گھسیٹ رہے ہو اور وہ بھی ایک انتہائی گری ہوئی سوچ کے تحت۔وہ بیوی ہے تمہاری جس کا نام تم کسی اور کے ساتھ جوڑ رہے ہو۔"اسکا بس نہیں چل رہا تھا وہ زبان کے بجائے ہاتھ سے بات کرے۔مگر یہاں معاملہ نازک تھا۔اسے خیال کرنا تھا ۔اسکے کہنے پر وقاص ایک طنز آمیز نظر اسے پھر گردن موڑ کر پیچھے سن بیٹھی،رونا بھول کر یک ٹک ان دونوں کو دیکھتی انمول کو دیکھا۔

"حیرت ہے بیوی میری ہے اور تکلیف تمہیں ہو رہی ہے۔وہ کیا کہتے ہیں دو جسم اک جان ۔تکلیف اک کو ہو تو درد دوسرے کو ہوتا ہے۔یہ تو بڑی فلمی صورت حال ہو گئی ہے۔۔"

دونوں ہاتھ آپس میں ملتے وہ تمسخر اڑاتے لہجے میں کہتا ہنسا۔براق اپنے مٹھی میں بھینچے ہاتھ پر قابو نہیں رکھ سکا تھا۔اک زوردار مکا ہوا میں لہراتا عین وقاص کے ناک پر پڑا تھا۔وہ اس کے لئے تیار نہیں تھا آنکھوں کے سامنے اندھیرے کا پردہ لہرایا تو درد کی تیز ٹھیس سی اٹھی،اپنی جگہ سے اک قدم پیچھے ہوتا لڑکھڑا کر وہ دوہرا ہوا تھا۔خود کو گرنے سے بچاتے وہ سنبھل کر جب تک سیدھا ہوا،خون کی تیز دھار اسکی ناک سے بہتی ہونٹوں اور ٹھوڑی کو تر کرتی چلی گئی۔

بے یقینی سے اپنے خون سے تر ہاتھ کو دیکھتے وہ گندی گالی بکتا براق کی طرف جھپٹا تھا، اگلے ہی پل وہ دونوں وہیں گتھم گتھا ہوئے ایک دوسرے کو زدوکوب کر رہے تھے۔ انمول منہ پر دونوں ہاتھ رکھتی زرد پڑتی رنگت کے ساتھ اٹھ کھڑی ہوئی، وہ انہیں روکنا چاہتی تھی مگر ٹانگیں لرز رہی تھیں، وہیں زبان سوکھ کر تالو سے چپکتی بولنے سے انکاری ہو گئی تھی۔

باہر بڑھتے شور پر اپنے کمرے میں ٹیوی کے سامنے بیٹھیں ناہید بھی باہر نکل آئی تھیں، صحن میں وقاص کو زمین پر چت لیٹا اور براق کو اسکے سینے پر اپنے گھٹنے ٹیک کر چہرے پر مکا مارتے دیکھ کر سینہ پیٹتے آگے بڑھی تھیں۔

"ہائے ہائے ظالم۔ مار دیا میرے بیٹے کو۔ پیچھے ہٹو چھوڑو اسے۔" ہانپتے ہوئے قریب آ کر بیٹے کو خون میں لت پت دیکھ دوہتھڑ براق کے شانے کو پیٹ ڈالا تھا۔ وہ مزاحمت کرتے نڈھال ہوئے وقاص کو ایک جھٹکے سے چھوڑتا اٹھ کھڑا ہوا، اسکی اپنی حالت بے حال ہو چکی تھی، بال بکھر کر ماتھے پر آن پڑے تھے اور نچلے ہونٹ کا کنارا ابھی پھٹ چکا تھا جہاں سے خون کی پتلی سی لکیر بن گئی تھی۔

"مار دیا ظالم نے میرے اکلوتے بیٹے کو۔ وقاص آنکھیں کھولو بیٹا، ارے کوئی پولیس کو بلاؤ۔ غنڈہ گردی چل رہی ہے یہاں گھر آ کر میرے معصوم بچے کو مارا جا رہا ہے۔" ناہید واویلا کر رہی تھی۔ براق نے آگے بڑھ کر انمول کا یخ ٹھنڈا پڑتا ہاتھ تھاما تھا۔

"چلو انمول۔ تم میرے ساتھ جا رہی ہو۔" وہ ختمی انداز میں اسے دیکھتا بولا۔

"ہاں ہاں لے جاؤ اس خرافہ کو۔ جب سے اس گھر میں بیاہ کر آئی ہے ہمارا سکون برباد کر دیا ہے اس نے۔ بے حیا کہیں کی۔ گلی گلی میں اس کے عاشقوں کی لائن لگی ہوئی ہے۔" وقاص کو سہارا دے کر اٹھاتے ناہید نے زہر اگلا تھا۔ براق بھینچے جبڑوں کے ساتھ انکی طرف مڑا، انمول نے منت بھرے انداز میں اپنا دوسرا ہاتھ اسکے ہاتھ پر رکھا تھا جس میں اسکا ہاتھ بند تھا۔

اس نے پلٹ کر دیکھا، روتے ہوئے وہ سر نفی میں ہلا رہی تھی۔

"تم چلو میرے ساتھ۔" وہ اسے لے کر آگے بڑھنے لگا جب وقاص بول اٹھا۔

"انمول کہیں نہیں جائے گی۔ تم کس حق سے اسے یہاں سے لے کر جاسکتے ہو۔" رسی جل گئی تھی مگر بل نہیں نکلا تھا۔ آستین سے اپنا چہرہ صاف کرتا وہ چلایا۔

براق رک کر اسے دیکھنے لگا۔ انمول پوری طرح اسکی پشت کے پیچھے چھپ گئی تھی جیسے وہ ناہید اور وقاص کا سامنا کرنے سے خوف زدہ ہو۔

"یہ جائے گی تم روک کر دکھاؤ۔"

وہ بھی ضدی پن لئے بولا۔

"یہ جائے گی تو میری کہی ہر بات پر مہر ثبت کر کے جائے گی۔ دنیا تھو تھو کرے گی اس پر اپنے شوہر کے گھر سے اپنے عاشق کے ساتھ بھاگی عورت کے نام سے جانی جائے گی یہ۔"

"بکواس بند کرو۔" براق حلق کے بل دھاڑا تھا۔ انمول نے اذیت سے آنکھیں میچ ڈالیں۔

پھٹے گریبان کے ساتھ وقاص اسکے تپنے پر کمینگی سے ہنسا۔ پھر ساتھ کھڑی اسکا بازو تھامے ناہید کو جتاتی نظروں سے ایک لمحے کے لئے دیکھا۔

"دیکھا اماں بڑی تکلیف ہو رہی ہے ڈاکٹر صاحب کو۔" اسکی کاٹ دار نظریں اب براق پر آ ٹھہری تھیں۔

"تو بتاؤ لگتی کیا ہے آخر یہ تمہاری۔ بہن تو ہے نہیں۔ نوکرانی ہی تھی نا تمہارے گھر کی۔ تو بھلا نوکروں کے لئے کون یوں پرائی لڑائی مول لیتا ہے۔ یہ تو کوئی عاشقی معشوقی کا چکر لگتا ہے صاف صاف۔ وہیں خون ایسے جوش مارتا ہے۔"

براق کی آنکھیں لہو چھلکانے کو تھیں، ضبط کے سبھی بندھن اب چٹخنے لگے تھے۔ انمول کا ہاتھ چھوڑتے وہ اسکی طرف جارحیت سے بڑھا۔

"لگتا ہے زندہ رہنے کی خواہش نہیں رہی تمہاری۔۔۔" اس سے پہلے کہ وہ اس تک پہنچتا ۔ناہید بیٹے کے سامنے تن کر آ کھڑی ہوئی تھیں۔

"خبردار اب میرے بیٹے کو ہاتھ بھی لگایا تو۔ پورا محلہ اکٹھا کر لوں گی میں۔ نکلو یہاں سے اب ۔" انگلی اٹھا کر اسے دھمکی دی۔ براق نے تاسف سے سر ہلایا۔

"پتہ ہے کیا؟ غلطی آپ کے اس جانور بیٹے کی نہیں ہے۔ آپ کی پرورش کی ہے۔ ایک عورت ہو کر آپ نے اسے ایک عورت کی عزت کرنا نہیں سکھائی تف ہے آپ کی ایسی پرورش اور آپ کی اولاد پر۔ اس نام نہاد مرد سے بہتر تھا آپ کے کوک سے ہیجڑا جنم لے لیتا۔ کم از کم کسی دوسرے کی بیٹی یوں برباد تو نہ ہوتی۔"

"میرے بارے میں ایسا بولا تو نے تیری تو میں۔۔۔۔"

منہ سے خرافات بکتا وقاص ماں کو پیچھے کرتے اسکی طرف چیل کی مانند لپکا مگر ناہید نے اسے پیچھے کالر سے پکڑ کر ایک بازو اسکے سینے کے گرد لپیٹ روکا۔

"کھڑی منہ کیا تک رہی ہو۔ ان دونوں میں سے کسی ایک کے مرنے کا انتظار کر رہی ہو کیا؟ تمہارے جیسی عورتیں ہی ہوتی ہیں جن کے پیچھے قتل ہو جایا کرتے ہیں۔" ناہید نے زرد پڑتی ادھ موئی ہوئی انمول کو دیکھتے کو سا تو وہ آنکھیں جھپک کر ہوش کی دنیا میں آئی۔ اپنے ماؤف ہوئے منتشر ذہن کو یکجا کرتے اس نے براق کا بازو تھام کر اسے پیچھے کیا تھا۔

"براق تم جاؤ یہاں سے پلیز۔" اسکی گھٹی ہوئی آواز بدقت حلق سے نکل سکی۔

"تم میرے ساتھ جاؤ گی۔" گردن ترچھی کیے وہ اسکا آنسوؤں سے ترمرجھایا ہوا چہرہ تک رہا تھا ۔دل پر کسی نے گھونسا رسید کیا۔ انمول نے لب بھینچ کر سر نفی میں ہلایا۔ براق کی بے یقین نظروں میں بے چینی دوڑ گئی۔

"تم میرے ساتھ چلو گی انمول۔ میں تمہیں ایک منٹ کے لئے بھی ان درندوں میں چھوڑ کر جانے کا متحمل نہیں ہوں۔" وہ پوری طرح اسکی طرف گھومتا بے بس ہوا۔

"میں نہیں جاؤں گی تم جاؤ۔" کہتے ہوئے گالوں پر بہتے آنسو اس نے اپنی آستین سے صاف کیے۔

"تم پاگل ہو گئی ہو؟"

براق کو اب اس پر غصہ آنے لگا، آواز میں برہمی تھی۔

"مجھے گالی نہیں بننا۔۔۔" وہ منہ پر ہاتھ رکھتی سسکی۔ براق نیم وا ہونٹوں کے ساتھ ملامتی انداز میں آنکھیں میچ گیا۔

یہ تھا وہ معاشرہ جو ہم نے اپنی جان عزیز عورتوں کے لئے بنایا تھا۔ جہاں وہ اس معاشرے کے نام نہاد عزتوں کے پیمانوں پر پورا اترتے اترتے موت کے گھاٹ اتر جاتی ہیں۔

وقاص اور ناہید نے ایک دوسرے کو شاطر مسکراتی نظروں سے دیکھا تھا۔

"بھاڑ میں جائیں سب انمول۔ تم کسی کی پرواہ مت کرو۔ صرف اپنا سوچو۔ کیا حال بنا دیا ہے ایک سال میں اس آدمی نے تمہارا، ساری زندگی اس جہنم میں کیسے رہو گی تم۔ اور اب تم کہو گی بھی تو میں رہنے نہیں دوں گا۔"

وہ بھی اسے لئے بغیر جانے کو تیار نہیں تھا۔ وقاص اور ناہید پر اسے ذرا بھی یقین نہیں تھا۔ اسکے جاتے ہی نجانے وہ انمول کے ساتھ کیا سلوک کرتے۔

وقاص آکر انمول کے پہلو میں آکھڑا ہوا تھا۔اپنا بازو اسکے شانے پر دراز کیا تو وہ پوری جان سے کانپی تھی۔براق نے ہاتھوں کی مٹھیاں سختی سے بند کیں۔

"سنا تم نے کیا کہا انمول نے۔اب دفع ہو جاؤ یہاں سے۔یہ ہم میاں بیوی کا آپسی معاملہ ہے۔ہم سلجھالیں گے۔تم اپنی شکل گم کرو یہاں سے۔"

حقارت سے اسے دیکھتے کہا۔براق نے التجائی نظروں سے انمول کی جانب دیکھا تھا مگر وہ وقاص کے خوف سے دم سادھے نظریں زمین پر گاڑھے کھڑی تھی۔

"اماں اسے لے جائیں اندر۔میں ڈاکٹر صاحب کو باہر کا راستہ دکھاؤں بھول گئے ہیں شاید۔"

ناہید انمول کی طرف بڑھی تو وہ میکانکی انداز میں انکے ساتھ چلتی پاؤں گھسیٹتے اندر کی جانب بڑھ گئی۔اس طرح کے اسکا دوپٹہ ایک شانے پر جھولتا زمین پر رل رہا تھا مگر اسے ہوش کہاں تھا۔

براق نے لاچارگی سے اسے جاتے دیکھا تھا، وقاص دروازہ کا پٹ کھولے اسکے باہر نکلنے کا منتظر کھڑا تھا۔ وہ ہونٹ بھینچ کر خالی ہاتھ جب اس دروازے سے نکلا تو یوں لگا جیسے جان اندر ہی کہیں رہ گئی ہو اور وہ خالی وجود کے ساتھ باہر نکلا ہو۔

دروازہ بند ہو چکا تھا، وہ کتنی دیر وہاں کھڑا بند دروازے کو گھورتا رہا۔ اسے شدید غصہ تھا اپنی بے بسی پر، انمول کی بے وقوفی پر اور وقاص اور ناہید کی درندہ صفت پر۔

. . . .

گھر آکر اس نے آسمان سر پر اٹھالیا تھا۔ ندرت اور امل دنگ سی سنے جا رہی تھیں جو وہ کہہ رہا تھا وہ ناقابل یقین تھا۔ ندرت نے بارہا انمول سے پوچھا تھا اور ہر بار وہ انہیں اپنی خوش حال زندگی کی روداد سنا کر مطمئین کر دیا کرتی تھی۔ وہ پہلے بھی کم کم آتی تھی اور اب تو کچھ مہینوں سے وہ کم کم آنا بھی ندارد ہو گیا تھا۔ وہ گھر سے باہر نکلنا پہلے بھی پسند نہیں کرتی تھی انہیں لگا وہ

اب اپنے گھر کی ہو گئی ہے تو یہی عادت اب بھی اس کی بنی ہوئی ہے تبھی نہیں آتی۔وہ کیا کیا سوچ کر، سن کر اطمینان سے رہتی رہیں اور وہاں نجانے وہ کیا کیا سہتی رہی۔برہان بھی وہیں ایک سائیڈ پر کھڑا رنجیدہ سا تھا براق اس پر برس رہا تھا۔

"تم نے کیوں اس کا پتہ نہیں کیا۔آپی کہتے ہو نا تم اسے؟بڑی بہن مانتے ہو اسے تو کیسے یوں لا وارثوں کی طرح اسے چھوڑ دیا؟ایسے ہوتے ہیں بھائی؟۔میں نہیں تھا یہاں،امی،امل،انمول سب کا خیال رکھنا تمہاری ذمہ داری تھی۔"

اور انیس بیس سالہ جوانی کی دہلیز پر کھڑا برہان رو دینے کو ہو گیا تھا۔انمول نے خود اس سے وعدہ کیا تھا وہ اسے اپنی ہر پریشانی بتائے گی مگر اس نے کچھ نہیں بتایا تھا۔اس کے پوچھنے پر بھی ٹال دیا۔تب جب اسکا دل کچھ غلط ہونے کی گواہی دے رہا تھا تو اسے دل کی گواہی سن لینی چاہیے تھی۔

"امی میں آپ کو بتا رہا ہوں انمول اب وہاں نہیں رہے گی وہ گھر، وہاں کے لوگ نہ کل اسکے قابل تھے نہ آج اسکے قابل ہیں۔ ہم ابھی اور اسی وقت اسے لینے جائیں گے۔" منہ پر ہاتھ پھیرتا وہ گم صم بیٹھیں ندرت سے کہہ رہا تھا۔

کچھ دیر بعد وہ دونوں گھر سے نکلے تھے۔ مگر انجان تھے آگے اک قیامت انکے انتظار میں تھی ۔جس وقت وہ انمول کے سسرال پہنچے تھے۔ اسکے گھر میں لوگوں کا ہجوم لگا ہوا تھا۔ براق کے جانے کے بعد وقاص نے انمول کو اس بری طرح پیٹا تھا کہ پہلی بار اسکی چینخوں کی آواز نے اس گھر کی دیواروں میں دبنے سے انکار کر دیا تھا۔ محلے کی عورتیں انکے گھر کے باہر جمع ہو گئی تھیں۔ گیٹ بجنے اور آوازوں پر وقاص حواس باختہ ہوتا گھر کے پچھلے دروازے سے بھاگ نکلا تھا۔ جس لمحے ندرت اور براق وہاں پہنچے انمول نیم جان سی نیل نیل ہوئے چہرے اور ماتھے سے بہتے خون کے ساتھ تخت پر پڑی تھی۔ اسے تخت پر بھی محلے کی عورتوں نے آکر زمین سے اٹھا کر ڈالا تھا۔ سبھی اپنی اپنی بولیوں میں ایک طرف کھڑی ناہید اور فرار ہوئے

وقاص کو کوس رہے تھے۔ کوئی ایمبولیس بلانے کی بات کر رہا تھا تو کوئی پولیس کو اطلاع کرنے کی۔

جس لمحے براق اسے اٹھا کر گاڑی کی جانب لے جاتے تیز تیز قدم اٹھا رہا تھا، اسے اپنی ٹانگوں سے جان نکلتی محسوس ہو رہی تھی۔ اسکے ماتھے پر سے نکلتے سرخ گرم سیال مادے کے علاوہ اسکا پورا وجود ٹھنڈا پڑ رہا تھا۔ چہرے پر نیل تھے تو ہونٹوں کا رنگ جامنی۔ وہ ایک نظر کے بعد دوسری نظر اس کے چہرے پر نہیں ڈال سکا۔ ندرت اسکے ساتھ ساتھ بھیگی آنکھوں کے ساتھ چلتے انمول کا چہرہ دیکھنے کی سکت خود میں نہیں پا رہی تھیں۔

آج دوسرا دن تھا، وہ اسی ہسپتال میں داخل تھی جہاں براق جاب کر رہا تھا۔ براق کی وجہ سے اسے خاص طور پر بہترین سروسز اور اسپیشلسٹ ڈاکٹرز کی سہولیات میسر کی گئی تھیں۔

وہ کل سے جتنی بار بھی ہوش میں آئی تھی کچھ نہیں بولی تھی، بس روتی رہی تھی۔

ندرت کو دیکھ کر، انکے گلے لگتے وہ یوں دھاڑیں مار مار کر روئی تھی کہ آواز اس پر آسائش پرائیویٹ روم کی دیواروں کے باہر تک گئی تھی۔ اسٹاف نے اسکی درد میں ڈوبی چینخیں سنی تھیں، وہ ڈاکٹر براق کی فیملی سے تھی، آپس میں کچھ سرگوشیاں بھی ہوتی تھیں۔

"بے چاری ڈومیسٹک وائیلنس کی وکٹم ہیں۔ پولیس کیس تھا مگر ڈاکٹر براق کی وجہ سے ہوسپٹل انتظامیہ خاموش ہوگئی ہے۔"

ایسی کہیں سرگوشیاں تھیں جو نرسیں آپس میں کرتی تھیں۔

ماتھے پر بندھی سفید پٹی میں اسکا زرد چہرہ کچھ اور بھی زردی مائل لگتا تھا۔ آنکھوں کے نیچے گہرے سیاہ حلقے، پپڑی زدہ خشک سوکھے ہونٹ جن کا کنارا اپھٹ کر سوجن کا شکار تھا اور نیل و نیل ہوا ستا ہوا بے رونق چہرہ۔ ندرت کا احساس جرم بڑھتا جا رہا تھا۔ انکے خلوص نیت میں کمی نہیں تھی پھر غلطی کہاں ہوئی تھی۔ شاید اسی دن کے لئے کہا جاتا ہے کہ بیٹیوں کے نصیب کسی نے کھول کر نہیں دیکھے ہوتے۔ دیکھے ہوتے تو انکی انمول آج ان حالوں میں نہ ہوتی۔

براق الگ انہیں مورد الزام ٹھہرا رہا تھا۔اور اس بار وہ اسکے کہے کی انکاری بھی نہیں تھیں ۔انکا اپنا ضمیر انہیں کچوکے لگا رہا تھا۔

اسکا دو ہفتے کا حمل ضائع ہوا تھا، کوئی اس قدر بے رحم کیسے ہو سکتا تھا؟اور انمول۔۔۔۔اس نے کیسے اتنا کچھ سہہ لیا تھا؟

"میں واپس نہیں جاؤں گی امی۔وہ مجھے جان سے مار دے گا۔ایک سال میں، میں نے بہت ماریں کھائی ہیں، گالیاں سنی ہیں، بے حیائی کے الزام، نیچ ذات اور بد صورتی کے طعنے۔مگر کبھی اتنی تکلیف نہیں ہوئی، لگتا تھا اب عادت ہو گئی ہے مگر اس بار کی مار بہت اذیت ناک تھی امی ،مجھے لگا تھا میں مر جاؤں گی۔دوبارہ کبھی آپ سے مل نہیں پاؤں گی۔"

دواؤں کے زیر اثر ہوش و مدہوشی کے درمیان معلق وہ سر گوشی نما آواز میں روتے ہوئے بول رہی تھی اور ندرت کی اپنی آنکھیں برستی چلی گئیں۔انکی اپنی طبیعت بگڑنے لگی تھی۔

اپنے ڈیوٹی آورز کے بعد براق آیا تو ندرت کو زبردستی کچھ دیر کے لئے گھر بھیجا تھا۔ برہان اور امل بھی اسے ملنے آئے تھے۔ مگر وہ کسی سے بھی کوئی بھی بات کرنے کو تیار نہیں تھی۔ ندرت ان دونوں کے ساتھ گھر گئی تھیں۔

اس وقت شام ڈھلنے کے قریب تھی۔ باہر کا ڈوبتا سورج کھڑکی کے ہٹے پردوں سے اپنی مدھم ہوتی نارنجی روشنی کے ساتھ دکھائی دیتا تھا۔

ایسے میں وہ بیڈ کے قریب رکھے سٹول پر ساکت وجامد بیٹھا تھا۔ نرس ابھی ابھی اسے ڈرپ لگا کر گئی تھی۔ اسکے بائیں ہاتھ کی پشت پر پیوست سوئی سے وہ محلول قطرہ قطرہ اسکے وجود میں سرایت کررہا تھا۔ کاش ٹیکنالوجی اتنی ترقی کر جائے کہ ہم اپنے پیاروں کی زندگی سے رخصت ہوئی ہر خوشی، سکون، اور اطمینان بھی یوں ہی کسی طریقے سے اسکے وجود کا حصہ بنا سکیں۔ چند منٹ کا کھیل ہو اور سب ٹھیک ہو جائے۔ جیسے کبھی خراب ہوا ہی نہ ہو۔

براق کی نظریں اسکے چہرے پر یوں جمی تھیں جیسے کبھی وہاں سے ہٹیں گی ہی نہیں۔ دل کی بڑھتی تکلیف کے باوجود اس نے نظریں نہیں چرائی تھیں۔ اسکے حصے میں بھی تکلیف آنی

چاہیے تھی جب انمول نے اتنی تکلیف سہی تھی تو۔ آنکھوں میں مرچیں سی بھرنے لگی تھیں ۔وائٹ کوٹ میں وہ اس وقت تھکا تھکا سا مغموم دکھائی دیتا تھا۔

"میں نے کہا بھی تھا تم سے انمول اپنے خوش رہنے کی دعا کرنا، مگر تم نے نہیں کی ہو گی۔ اب میری کہی باتیں مانتی ہی کہاں ہو تم۔ میں نے یہ بھی کہا تھا اگر تمہیں کوئی غم چھو کر گزرا تو میں تمہیں معاف نہیں کروں گا۔ غلط کہا تھا، اب تمہیں یوں غم کی تصویر بنا دیکھ رہا ہوں تو خود کو معاف نہیں کر پا رہا۔ سب میری غلطی ہے۔ میں پیچھے ہٹ گیا نہیں ہٹنا چاہیے تھا۔ تم، ماما جتنا مرضی خفا ہو جاتے مجھے وہ خفگی سہہ لینی چاہیے تھی۔ اس سے تو لاکھ گنا بہتر تھی جو اب تمہیں یوں دیکھ رہا ہوں۔ تم انمول تھی، میں کیسے تمہیں کسی اور کے حوالے کر گیا؟ اور اس نے کیسے تمہیں یوں بے مول کر دیا؟ ساری کوتاہی تو میری ہوئی، اپنی قیمتی متاع جان کسی کے حوالے کرنے کی یہ سزا تو ملنی ہی تھی مجھے۔" اسکی نیم سرگوشی نما بھاری آواز، اور وہ بھیگی آنکھوں کے سرخ گوشے۔ کوئی شکستہ تھا، کوئی بار بار ہارا تو براق انصاری ہارا تھا۔ اور جس کی خوشی کے لئے ہارا تھا خوشی پھر بھی اسکا مقدر نہ بنی تو یہ ہار تو پہلی ہار سے زیادہ بری ثابت ہوئی تھی۔

بیڈ پر بے جان پڑے انمول کے وجود میں ہلکی سی غیر محسوس جنبش ہوئی تھی۔ دائیں آنکھ کے کنارے سے ایک آنسو ٹوٹ کر کنپٹی کے بالوں میں گم ہو گیا تھا جسکی اپنے پچھتاوں میں گرے براق کو خبر تک نہ ہوئی تھی۔

. . . .

اگلے دن وہ ہوسپٹل سے ڈسچارج ہوگئی تھی۔ گھر آکر بھی اسکی چپ نہیں ٹوٹی تھی۔ امل اس سے گھنٹوں باتیں کرتی، اور وہ خاموش خالی نظروں سے اسے سنتی رہتی۔ ندرت اسکے پاس آکر بیٹھتیں تو وہ یوں نظریں چراتی جیسے کوئی نا قابل معافی جرم کی مرتکب بن بیٹھی ہو۔ اسکی ابتر ہوئی ذہنی وجذباتی صحت کے پیش نظر ڈاکٹر نے اس کا پرسکون رہنا لازم قرار دیا تھا۔ اسی لئے ندرت اس سے کوئی سوال نہیں کر رہی تھیں۔ پہلے اسکی صحت تھی بعد میں باقی سبھی معاملات

۔

براق نے ناہید اور وقاص کے خلاف گھریلو تشدد کا کیس دائر کیا تھا، انمول کی میڈیکل رپورٹس ،اور محلے کے چشم دید گواہوں نے کیس کو مضبوط کر دیا تھا۔ پولیس دوبار انکے گھر پر چھاپہ مار

چکی تھی۔ناہید کو گرفتار کرلیا گیا تھا البتہ وقاص ابھی تک فرار تھا اسکی تلاش کے لئے چھاپے مارے جارہے تھے۔

پولیس انمول کا بیان ریکارڈ کرنا چاہتی تھی مگر ڈاکٹرز کی رپورٹ کے مطابق فلحال اسکی ذہنی حالت ایسی نہیں تھی وہ کوئی بیان دے پاتی اس لئے اسے کچھ وقت دیا گیا تھا۔

اسے ہوسپٹل سے گھر آئے آج پانچواں دن تھا جب ندرت کے پوچھنے پر اسکی زبان کا قفل ٹوٹا تھا۔

وہ اسکے کمرے میں آئی تھیں۔وہ ابھی ابھی سو کر جاگی تھی۔انہیں دیکھ کر لیٹے سے اٹھ بیٹھی۔

"جاگ گئی تم بیٹا۔اب کیسی طبعیت ہے۔"

اسکے پہلو میں بیٹھتے اسکے بال نرمی سے ٹھیک کیے۔

"ٹھیک ہوں۔"

"یہ کیا کیا انمول۔ تم میری بیٹی تھی۔ اور مجھے ہی پرایا کر دیا تم نے۔ ایک بار بھی مجھے بھنک تک نہ پڑنے دی کہ تم پر کیا بیت رہی ہے۔"

باوجود مضبوط نظر آنے کی کوشش کے انکی آواز بھیگنے لگی تھی۔ انمول نے اپنی ویران آنکھیں اٹھا کر انکا رنجیدہ چہرہ دیکھا۔

"کیا بتاتی آپ کو امی۔ یہ میری بد نصیبی تھی۔ آپ کو پریشان نہیں کرنا چاہتی تھی بس۔"

وہ بہت مدھم سی بول رہی تھی۔

"تو کیا اب تمہیں اس حال میں دیکھ کر مجھے دکھ نہیں ہو رہا یا پریشانی نہیں ہو رہی۔ تم بیٹی تھی میری کوئی بوجھ نہیں تھی۔ ایک بار کہتی تو بیٹا، کیوں سہتی رہی اکیلے۔"

"میں بتا بھی دیتی تو کیا ہو جاتا امی۔ بس یہی نا کہ آپ بھی پریشان ہو تیں، میری فکر میں گھلتی رہتیں۔ اس سے بہتر تو یہی تھا میں کم از کم آپ کو اس پریشانی سے بچائے رکھتی۔ مجھے یہی صحیح لگا تھا۔"

وہ مژدگی سے بولی۔

"کیا مطلب کیا ہو جاتا بیٹا۔ میں تمہیں مزید ایک منٹ وہاں رہنے نہ دیتی۔ اس لئے تو نہیں بیاہا تھا تمہیں میں نے کہ وہاں جا کر جانوروں کی طرح منہ سیے ماریں کھاتی رہو۔ کوئی بوجھ نہیں تھی تم میرے لئے جسے سر سے اتار پھینکا ہو تم بیٹی تھی میری۔ یہ گھر ہمیشہ سے تمہارا تھا۔ اس گھر کے دروازے بھی ہمیشہ تمہارے لئے کھلے تھے۔ تم ایک بار کہہ کر تو دیکھتی۔"

وہ بے آواز رو رہی تھی۔ ندرت نے آہستگی سے اسے خود سے لگایا۔

"مجھے معاف کر دینا بیٹا۔ مجھ سے تمہارے لئے غلط فیصلہ ہو گیا۔ میں نے ایسا نہیں چاہا تھا، میں بس تمہیں خوش دیکھنا چاہتی تھی اپنے گھر میں آباد دیکھنا چاہتی تھی۔ دن میں کہیں بار تمہاری خوشیوں کی دعائیں مانگا کرتی تھی مجھے کیا پتہ تھا تم وہاں جہنم سے بدتر زندگی گزار رہی ہو۔"

اسکے ساتھ وہ بھی رو رہی تھیں۔ انمول نے کچھ نہیں کہا تھا بس ایسے ہی انکے ساتھ لگی روتی رہی تھی۔

. . . .

براق آج کل ہوسپٹل، پولیس سٹیشن اور گھر کے درمیان گھن چکر بنا ہوا تھا۔جب سے وہ گھر آئی تھی وہ ایک بار بھی اس سے مل نہیں پایا تھا۔رات کو وہ دیر سے آتا تھا اور صبح جلدی نکل جاتا تھا۔البتہ امل اور ندرت سے اسکی صحت میں بتدریج بہتری کا پتہ چلتا رہتا تھا۔

اس دن وہ جلدی گھر واپس آگیا تو اس سے بات کرنے کا موقع مل گیا۔امل سے اسکے جاگے ہونے کا پتہ کرتے وہ اسکے اور امل کے مشترکہ کمرے کی جانب بڑھا تھا۔دروازے پر ہلکی سی دستک دی۔

اسکی آواز پر دروازہ کھولا تو وہ اسے اندر داخل ہوتا دیکھ ذرا سی چونکی، پھر سیدھی ہو کر بیٹھی ۔اسے لگا بر ہان ہو گا۔شام کو وہی آکر اسکے پاس بیٹھتا تھا اور نجانے کون کون سے سچے جھوٹے قصے سنا کر اسے ہنسانے کی کوشش کیا کرتا تھا۔

"کیسی ہو تم۔"

اسکے سامنے صوفے پر بیٹھتا وہ نرمی سے پوچھنے لگا۔ انمول کی نظریں اپنی گود میں رکھے ہاتھوں پر دھری تھیں۔ بنا منہ سے کچھ کہے بس سر ہاں میں ہلا دیا تھا۔

"کل صبح تیار رہنا ہمیں پولیس سٹیشن جانا ہے۔ تمہیں اپنا بیان دینا ہو گا۔ تاکہ کیس عدالت میں دائر کیا جا سکے۔"

وہ بہت آرام سے کہہ رہا تھا جیسے معمول کی بات ہو۔ انمول نے سہمی نظریں اٹھا کر اسکی طرف دیکھا تھا۔

"یوں مت دیکھو انمول۔ مجھے تم پر بھی غصہ آنے لگتا ہے۔ تم کب سے اتنی کمزور ہو گئی جو اس شخص کی اتنی ہمت بڑھ گئی کہ تم پر ہاتھ اٹھایا اس نے۔ ایک بار نہیں کہیں بار۔ تمہیں ذلیل کرتا رہا اور تم جاہلوں کی طرح آگے سے سب سہتی رہی۔ کسی کو ایک بار بتایا تک نہیں۔ یہ کون سی انمول ہے جسے میں نہیں جانتا۔ میں تو اس انمول کو جانتا ہوں جسے میں مذاق میں بھی ایک کہتا تھا تو وہ جب تک منہ توڑ جواب نہیں دے لیتی تھی سکون سے نہیں بیٹھتی تھی۔ اور وہاں تم چپ چاپ ماریں کھاتی رہی۔ کیوں؟"

وہ ناچاہتے ہوئے بھی تلخ ہو رہا تھا۔اور انمول کو تو آج کل چھوٹی چھوٹی باتوں پر بھی رونا آرہا تھا ۔وہ بہت سارے آنسو جو سوکھ کر اندر ہی کہیں جزب ہو گئے تھے۔اب بات بات پر امڈنے کو تیار رہتے تھے۔

اسے یوں خاموشی سے آنسو بہاتے دیکھ کر اس نے بے بسی و دکھ کی ملی جلی کیفیت کے زیر اثر اپنا نچلا لب دانتوں میں دبایا۔

کچھ دیر کے لئے ماحول میں خاموشی چھا گئی، جسے براق کی سنجیدہ اور ٹھہری ہوئی آواز نے توڑا تھا۔

"نکاح گھر کی چار دیواری جیسا ہے۔اور گھر انسان کے سکون کی جگہ ہے۔جہاں آکر وہ خوشی محسوس کرے۔اسی طرح نکاح کا تعلق بھی مرد و عورت دونوں کے سکون و راحت کا سبب ہے اگر دونوں فریقین میں سے کسی کے لئے بھی یہ تکلیف کا باعث بننے لگے تو اللہ کسی کے لئے بھی تکلیف پسند نہیں کرتا۔ایسی حالت میں مرد کے لئے طلاق اور عورت کے لئے خلع کا دروازہ رکھا گیا ہے۔جسے بحالت مجبوری کھولا جا سکتا ہے۔وقاص کو تم سے کوئی مسئلہ تھا تو

اسے اللہ کے حکم کے مطابق تمہیں رسوا کرنے یامار پیٹ کرنے کے بجائے عزت سے طلاق دے کر اپنی زندگی سے خارج کر دینا چاہیے تھا۔ لیکن اگر وہ کم ظرف تھا تو تمہیں اسکے ظلم پر خاموش رہ کر ظلم کو بڑھاوا نہیں دینا چاہیے تھا انمول۔ مظلوم اگر چپ چاپ سہن کر تا رہے تو وہ مظلوم نہیں رہتا قصور وار بن جاتا ہے۔ تم کیا کر رہی تھی، تم ایک مثال قائم کر رہی تھی کل کو تمہارے بچے ہوتے وہ اپنے باپ کو یوں مار پیٹ کے دم پر ماں سے سب منواتے دیکھتے تو انہیں لگتا ہاں یہی صحیح طریقہ ہے اپنی چلانے کا، دوسروں کو دبانے کا۔ تم ایک نئی نسل پروان چڑھاتی جو اپنے باپ کے جیسا مائنڈ سیٹ لے کر جوان ہوتی اور پھر سے وہی سب دوہرایا جاتا جو ماضی میں تم پر بیت چکا ہوتا۔ یہ چین یوں ہی چلتی رہتی۔ مگر کسی کو تو ہمت کرنی چاہیے انمول ،اس چین کو توڑنے کی، اس فرسودہ سوچ سے ہٹ کر کہ معاشرہ اسے قصور وار ٹھہرائے گا ،اسکی کردار کشی کی جائے گی، باتیں بنائی جائیں گی، یا ماں باپ اپنائیں گے نہیں۔ کیا یہ سب ایک جیتے جاگتے انسان کو زندہ درگود کرنے یا مار کھا کھا کر کسی دن حقیقت میں قبر میں اتر جانے سے زیادہ تکلیف دہ ہے؟"

نظر اٹھا کر اسکی جھکی نظروں اور متغیر رنگت لئے چہرے کو دیکھتے وہ اسکے بدلتے تاثرات کا جائزہ لے رہا تھا۔

بنا پلکیں اٹھائے وہ ہنوز اسی انداز میں بیٹھی رہی۔ یہاں تک کہ براق کو لگا وہ کچھ کہے گی ہی نہیں مگر پھر اسکی کمزور سی مدھم آواز اسکے کانوں میں پڑی۔

"جس چار دیواری کی تم بات کر رہے ہو براق۔ تم اس کے باہر کھڑے تھے۔ میں اندر تھی ،میں قید تھی، میرا دم گھٹتا تھا، تم اس تکلیف کا باہر کھڑے اندازہ نہیں کر سکتے، اس لئے ایسی باتیں کرنا آسان ہے۔ تمہیں کیا لگتا ہے میں نے کوشش نہیں کی ہو گی؟ ہاتھ پاؤں نہیں مارے ہوں گے اس دلدل سے نکلنے کے لئے جس میں لمحہ لمحہ میں دھنستی چلی جا رہی تھی۔ جب صبح و شام آپ کو آپ کے کم تر، بد صورت، بے حیا ہونے کے سرٹیفکیٹ دیے جائیں تو عزت نفس ،خودداری، پراعتمادی یہ سارے پرندے ہمارے وجود کی شاخ سے اڑنے لگتے ہیں۔ یہ تو ذہنی وجذباتی اذیت ہے۔ بہت بڑی لگتی ہے مگر صرف تب تک جب تک جسمانی اذیت نہ پہنچی ہو ۔ مگر جب آپ کو مارا جاتا ہے بنا کوئی لحاظ کیے تھپڑوں سے، گھونسوں اور لاتوں سے، بیلٹ سے

یا ہاتھ میں پکڑے کسی بھی اوزار سے تو وہ درد جو پورے وجود میں پھیلتا ہے اس کے سامنے زبانی تشدد زیادہ قابل قبول لگنے لگتا ہے۔ خوف اندر پنجے گاڑھ کر بیٹھ جاتا ہے۔ میں نے اتنی ماریں کھائی ہیں کہ میں دعائیں کیا کرتی تھی وقاص مجھے منہ سے جو مرضی کہہ لے، بدکردار، بے حیا، بدصورت، بدذات، نیچ ذات بس وہ مجھ پر ہاتھ نہ اٹھائے۔ جسمانی مار، لفظی مار سے کہیں زیادہ سنگین ہوتی ہے، تکلیف دہ، درد دینے والی، راتوں کو سونے نہ دینے والی، اور ہر گھڑی ہر آہٹ اک خوف کے حصار رکھنے والی کہ اب نجانے کب، کس بات پر پھر سے وہی تکلیف برداشت کرنی ہو گی۔ یہ جو بڑی بڑی باتیں ہوتی ہیں نا عزت نفس، خودداری، انا کی یہ سب تب تک ہی کی جاتی ہیں جب تک آپ پر یہ سب بیتا نہ ہو۔ جب گزرتی ہے تو بندہ بے حس ہو جاتا ہے، یا شاید اتنا خوف زدہ کہ بے غیرت ہو جاتا ہے۔"

وہ یوں بول رہی تھی جیسے کوئی ربڑ کی گڑیا ہو، سیل سے چلنے والی، سپاٹ چہرہ اور بے تاثر آواز۔ ہر احساس سے مبرا۔ براق اسے دیکھتا رہ گیا۔ وہ صحیح کہتی ہے جو وہ جھیل آئی تھی وہ اکیلے جھیل آئی تھی کوئی شریک کار نہیں تھا تو تکلیف کا تخمینہ لگانا ممکن بھی کیسے تھا۔

"ہم کل صبح پولیس سٹیشن جا رہے ہیں۔وہاں تم سب سچ سچ بتاؤ گی۔اور کیس آگے بڑھایا جائے گا۔ضرورت پڑی تو تم عدالت تک جاؤ گی انمول۔وہ لوگ تمہارے مجرم ہیں اور انہیں سزا بھی تم دلاؤ گی۔"

"سزا؟"اس نے زیر لب دوہرایا پھر زخمی سے انداز میں مسکرائی۔

"اس سے کیا ہو گا؟" جھکی نظریں اس بار اٹھی تھیں،سوالیہ انداز میں براق کے چہرے پر ٹکی تھیں۔

"کیا مطلب اس سے کیا ہو گا؟"وہ اس کے سوال و انداز دونوں پر ٹھٹکا۔

"کیا سزا دلانے سے میرے زخم بھر جائیں گے،میری ذات جو زرہ زرہ ہو کر بکھر گئی ہے وہ پھر سے یکجا ہو جائے گی،یا میرے اذیت میں گزرے وہ پل میری زندگی سے مٹ جائیں گے،یا ۔۔۔یا جو میں نے اپنا بچہ کھویا ہے وہ واپس آجائیں گا۔ تمہیں پتہ ہے براق میں نے بہت دعائیں کی تھیں،ہر اس بیوقوف عورت کی طرح جسے لگتا ہے ماں بننے کے بعد اسکی زندگی آسان ہو

جائیں گی، اسکا ہمسفر بدل جائے گا، اور سب ٹھیک ہو جائے گا۔ لیکن پھر کبھی کبھی مجھے خوف بھی آتا تھا۔ اگر جو میری کوکھ سے ایک اور وقاص نے جنم لے لیا تو کیا میں بھی ناہید بن جاؤں گی؟ یا اگر کسی انمول نے جنم لیا تو اپنے دکھوں کے ساتھ اسکا دکھ بھی اپنے کندھوں پر لا دلوں گی۔ دونوں صورتوں میں، میرا تو گھاٹا ہی گھاٹا تھا۔"

اسکی آواز گلوگیر ہوتی چلی گئی۔ دل کی نم مٹی پر پھوار سی برسنے لگی تھی۔ وہ اور گیلی ہوتی چلی گئی

۔

براق نے جبڑے بھینچ ڈالے۔ اس سے زیادہ سننا اسکے لئے ناقابل برداشت تھا۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا اور آکر اسکے عین سامنے ایک گھٹنہ موڑے دوسرا سیدھا کئے پیروں کے وزن پر زمین پر بیٹھا۔ وہ خالی خالی نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔

"گناہ گار کو سزا اس لئے نہیں دلائی جاتی کہ اس سے ہمیں کوئی فائدہ ہو گا یا ہماری تکلیف کم ہو جائے گی۔ ظالم کو سزا ظلم کے بڑھتے قدم روکنے کے لئے دلوائی جاتی ہے۔ جب تک انمول جیسی عورتیں چپ چاپ مار کھاتی رہے گیں، وقاص جیسے مرد اسی طرح ان پر ہاتھ اٹھاتے

رہیں گے۔ کسی کو تو ہاتھ روکنا ہو گا۔ تاکہ اگلی بار ہاتھ اٹھاتے کوئی کم از کم سو بار تو ضرور سوچ ۔اس معاشرے میں مرد اس زعم میں جیتا ہے کہ وہ خود مختار ہے گھر کی چار دیواری میں جو مرضی کر لے کوئی پوچھنے والا نہیں، اور یہی آزادی اسے زمینی خدا بنا دیتی ہے، پھر وہ بے خوف ہو جاتا ہے ہر پکڑ سے۔ وہ جانتا ہے اسکے گھر کی دیواروں میں رہتی، مار کھاتی، گالیاں سنتی وہ عورت اسکی محتاج ہے وہ ایک بار ہنس کر اس سے بات کر لے گا تو وہ سب بھول بھال کر پھر سے خوشی سے یا مجبوری سے اسی کے ساتھ ہی رہے گی، کہیں جائے گی نہیں، کسی کو کچھ بتائے گی نہیں اور یہ سب اسے اور شے دینے کے مترادف ہیں۔ تم اگر اسے سزا دلاؤں گی تو اس سے تمہارے زخم بھلے نہ بھریں انمول مگر ہو سکتا ہے اس سے عبرت حاصل کر کے کوئی اور انمول کسی اور وقاص کے ہاتھوں زخم زخم ہونے سے بچ جائے۔ میری بات پر غور ضرور کرنا۔ میں صبح پھر آؤں گا اس امید کے ساتھ کہ تم مجھے تیار ملو گی۔"

اپنی کہہ کر اٹھتا وہ چلا گیا، وہ اب بھی اپنی بے تاثر نظریں وہیں جمائے بیٹھی تھی جہاں سے وہ اٹھ کر گیا تھا۔

. . . .

اگلے دن کا سورج طلوع ہوا تو سب کو خوش گوار حیرت ہوئی تھی جب وہ براق کے ساتھ پولیس سٹیشن جانے کو تیار دس دن بعد اپنے کمرے سے باہر نکلی تھی۔

اسے جاتا دیکھ جہاں سب کو کچھ اطمینان ہوا تھا کہ اب شاید وہ اپنے خول سے نکل آئے وہی جب تین گھنٹے بعد وہ واپس آئی تو اسکا چہرہ شدت جذبات سے سرخ پڑ رہا تھا۔ آتے ساتھ ہی وہ سیدھا اپنے کمرے میں جاتی دروازہ بند کر گئی تھی۔ براق اس کے پیچھے پیچھے لاؤنج میں داخل ہوا تھا۔ ندرت نے اچنبھے سے اسی سے استفار کیا تھا۔

"کیا ہوا؟"

وہ اک تھکن زدہ سی گہری سانس خارج کرتا وہاں انکے پاس صوفے پر بیٹھ گیا۔

"وقاص کو کل شام گرفتار کیا گیا اور آج جب ہم وہاں پہنچے تو وہ ضمانت پر رہا بھی ہو گیا۔ ایس ایچ او نے دونوں فریقین کو بٹھایا تو اس نے وہی سب بکواس کی ماما۔ وہی بے ہودہ الزامات، بے بنیاد باتیں۔ کوئی اتنا کیسے گر سکتا ہے ماما وہ اپنے نکاح میں رکھی عورت کے بارے میں غیر مردوں کے سامنے کیسے اس طرح سے بات کر سکتا ہے۔"

اس نے ڈھکے چھپے الفاظ میں مختصر احوال سنایا تھا۔ اس وقت وہ شدید غمگین لگتا تھا۔ وقاص نے جو ڈرامہ وہاں پولیس سٹیشن میں لگایا تھا اسے دیکھ کر اسکا خون کھول اٹھا تھا، تو انمول پر کیا بیتی ہو گی۔

"میں انمول کو دیکھتی ہوں۔" ندرت نے بند دروازہ دیکھ کر کہا تو وہ سر ہلا گیا۔

"جائیں پلیز۔ وہ ڈسٹرب ہو گی بہت۔"

ندرت اسکے پاس سے اٹھ کر انمول کے کمرے کی جانب بڑھیں، کمرہ لاک نہیں تھا۔ سامنے ہی وہ بیڈ کے کنارے پر بیٹھی تھی چادر اتار کر ایک سائیڈ پر رکھی ہوئی تھی اور خود وہ نڈھال

سی بیڈ پر بیٹھی تھی۔انہیں آتا دیکھ کر چہرہ موڑتے آنکھیں رگڑ ڈالیں جنکی نمی ان سے مخفی نہیں رہ سکی تھی۔

"انمول۔"

اسکے پاس آکر انہوں نے پکارا تو وہ آسیب زدہ سی نگاہیں ان پر جما گئی۔

"اسی لئے نہیں جانا چاہتی تھی میں امی۔مجھے پتہ تھا وہ شخص مجھے دنیا کے سامنے رسوا کر دے گا ۔مگر براق کو سکون نہیں تھا۔اب چین پڑ گیا ہو گا اسے بھی۔آپ کو پتہ ہے وہاں تھانے میں بیٹھ کر جب وہ میری کردار کشی کر رہا تھا تو اس نے میرا نام محلے کے لڑکوں سے لے کر گلی میں ریڑھی لے کر آنے والے سبزی فروشوں تک سے جوڑ دیا،میرے ساتھ وہاں تھانے میں براق کی موجودگی تک پر سوال اٹھایا۔اور وہاں موجود پولیس اہلکاروں کی جانچتی نظریں بار بار میری طرف یوں اٹھتی تھیں جیسے انہیں اسکے کہے لفظ لفظ پر یقین ہو۔اسی لئے نہیں جانا تھا مجھے ۔کسی کو کوئی سزا نہیں دلوانی تھی،کوئی انصاف نہیں مانگنا تھا کہ میں جانتی ہوں یہ معاشرہ کیسا ہے۔یہاں زیادتی مرد کرے تو بھی قصوروار عورت کو ٹھہرایا جاتا ہے۔"

تلخی سے کہتے اسکی آنکھیں چھلک اٹھی تھی۔

ندرت کو سمجھ نہیں آرہی تھی وہ کیا کہہ کر اسے بہلائیں، اسکی ڈھارس بڑھائیں۔بے بسی بھرے انداز میں اسکے سر پر ہاتھ رکھا۔

"سب ٹھیک ہو جائے گا بیٹا۔تم رو مت۔"

"آپ براق سے کہہ دیں امی۔میں اب کہیں نہیں جاؤں گی۔نہیں چاہیے مجھے کوئی انصاف بس۔"وہ ہٹیلے پن سے بولتی سر نفی میں ہلا رہی تھی۔ندرت نے اسے خود سے لگاتے تسلی دی تھی۔

"جیسا تم کہو گی ویسا ہی ہو گا۔"

یہ بات انہوں نے انمول سے تو کہہ دی تھی مگر یہی بات جب شام کو براق سے کہی تو وہ ہتھے سے ہی اکھڑ گیا تھا۔

"ایسے کیسے چھوڑ دیں ماما۔ ایسے لوگ چھوڑنے کے قابل ہوتے ہیں کیا؟ ہر گز نہیں۔ نا میں پیچھے ہٹوں گا نہ ہی انمول کو ہٹنے دوں گا۔"

"بیٹا لوگ سو سو باتیں بنائیں۔۔۔"

"بھاڑ میں جائیں لوگ اپنی سو سو باتوں سمیت۔ کون ہیں یہ لوگ؟ جنکا ہمیں اتنا ڈر ہوتا ہے اور میں پوچھتا ہوں کیوں ہوتا ہے؟ زندگیاں ہماری ہوتی ہیں اور جیتے ہم لوگوں کی باتوں کے خوف سے ہیں۔ یہ تو کوئی بات نہ ہوئی ماما۔ لوگ، لوگ ہوتے ہیں اس لئے باتیں بناتے ہیں۔ اب آپ بتائیں ہمیں ہمارے اپنوں کی پرواہ کرنی چاہیے یا لوگوں کی؟"

"لیکن براق اس سب کا انمول پر بھی تو برا اثر پڑ رہا ہے بیٹا۔ پہلے کیا کم جھیلا ہے اس نے جو اسے ایک نئی آزمائش میں ڈالا جائے۔ ابھی تو پولیس سٹیشن تک بات ہے پھر عدالت تک جائے گی وہاں وہ خبیث انسان پھر سے وہ سب خرافات بکے گا۔ کیا ضروری ہے انمول کو بار بار اس اذیت سے گزارا جائے۔"

وہ دونوں طرف سے پھنسی ہوئی تھیں۔براق کی باتوں سے اتفاق بھی تھا اور انمول کو مزید پریشانی سے بچانا بھی چاہتی تھیں۔

براق نے نرم پڑتے انکا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا تھا۔

"مجھے پتہ ہے آپ کو اسکی فکر ہے ماما۔مجھے بھی ہے۔میں بھی تو یہ سب اسی کے لئے کر رہا ہوں ۔مجھے بھی اسے اس حال میں دیکھ کر تکلیف ہوتی ہے ماما مگر میں ہمت نہیں ہارنا چاہتا۔یہ تو بزدلی ہے کہ لوگ یہ کہیں گے وہ کہیں گے تو ہم اپنے ساتھ ہوئے ظلم پر آواز بھی بلند نہ کریں ۔اسے ابھی یہ سب غلط لگ رہا ہو گا،تکلیف بھی ہو رہی ہو گی مگر ایک بار جب عدالت اسکے حق میں فیصلہ سنا کر اسے انصاف فراہم کرے گی،وقاص کو سزا ملے گی تو اسکی خوداعتمادی بڑھے گی ،اسے اپنے حق کے لئے لڑنا آئے گا،جیتنا آئے گا ورنہ تو لوگوں کی باتوں کے ڈر سے،یا کسی کے بھی بے بنیاد الزامات کے ڈر سے وہ کبھی بھی زندگی میں اپنے لئے آواز اٹھا نہیں پائے گی۔اور مجھے ایسی انمول نہیں چاہیے،ڈرپوک اور احساس کمتری کی شکار۔"

اپنے کمرے کے باہر کھڑی انمول نے اسکا حرف حرف سنا تھا۔ دل کی زمین گیلی ہوتی چلی گئی، وہ موم بن گئی تھی پگھلتا موم۔ وہ اسکے لئے کھڑا تھا، وہ اسکے لئے لڑ رہا تھا۔ ایک بار پہلے بھی لڑا تھا تب اس نے اسکا ساتھ نہیں دیا تھا، براق نے اس کی خوشی کے لئے قدم پیچھے لے لئے تھے وہ خود ہی ہار گیا تھا تو جیت وہ بھی نہیں پائی تھی اور پھر اس نے نا قابل تلافی نقصان اٹھایا تھا۔ آج ایک بار پھر وہ اس کے لئے کھڑا تھا، اسکے لئے لڑ رہا تھا اور اس بار وہ اس کا ساتھ نہ دے کر نقصان اٹھانے والوں میں سے نہیں ہونا چاہتی تھی۔

. . . .

وقاص کے خلاف خلع کے ساتھ ساتھ گھریلو تشدد کے ایکٹ کے تحت کیس عدالت میں دائر ہو چکا تھا۔ فیملی کورٹ کے مجسٹریٹ نے وقاص کو چودہ دن میں جواب دہی کے لئے نوٹس ایشو کیا تھا۔

انمول کا ٹریٹمنٹ جس لیڈی ڈاکٹر نے کیا تھا اس نے براق کو سجیسٹ کیا تھا وہ اسکے لئے کسی اچھے سائیکالوجسٹ سے رجوع کریں۔ وہ ایک بڑے ٹراما سے گزری تھی، اسکی شخصیت توڑ پھوڑ کا شکار ہوئی تھی۔ اور یہ تو سب کو نظر بھی آرہا تھا۔ وہ پہروں چپ بیٹھی رہتی تھی۔ کوئی بلاتا تو جواب دے دیتی ورنہ یوں ہی پورا دن کمرے میں بند گزار دیتی۔ ندرت نے ہی اس سے سائیکالوجسٹ کی بات کی تھی اور اس نے بنا چوں چرا اں ہامی بھر لی۔

اگلے دو ماہ میں نہ صرف اسکے حق میں کیس کا فیصلہ سنا دیا گیا بلکہ وقاص کو گھریلو تشدد کے ایکٹ کے تحت تین سال کی سزا بھی سنائی گئی تھی۔ عدالت سے اسکی خلع بھی منظور ہو گئی تھی۔ اور انمول کو یوں لگا تھا جیسے گلے میں پڑا کوئی طوق تھا جس سے اسے آزادی ملی ہو۔ براق نے صحیح کہا تھا وقاص کی سزا نے اسکے زخم مندمل بھلے نہیں کیے تھے مگر اس کے اندر کی عورت کو جیسے کچھ قرار آیا تھا۔ اک سکون تھا جو اسکے پورے وجود میں پھیلتا چلا گیا۔ ایک لمبے عرصے کے بعد اس نے خود کو اس قدر پر سکون پایا تھا۔

گھر والوں کی خاص توجہ، مسلسل ہو رہے کونسلنگ سیشنز، اور ایک گھٹن زدہ رشتے سے آزادی ان سب نے مل کر اسکی صحت پر اچھا اثر ڈالا تھا۔ جسمانی زخم بھرنے لگے تھے، چہرے کی شادابی واپس آنے لگی تھی۔ وہ آہستہ آہستہ نارمل زندگی کی طرف لوٹنے لگی تھی۔

....

اسکی عدت کے ایام ختم ہوئے تو زندگی پہلے کے معمول پر جیسے پھر سے آگئی تھی۔ گھر کا سارا انتظام ایک بار پھر سے وہ سنبھال چکی تھی۔ وہی امل اور برہان جو اسکے نہ ہونے پر صبح صبح شرافت سے خود بستر چھوڑ دیا کرتے تھے ایک بار پھر سے پرانے معمول پر آچکے تھے۔ براق کے ساتھ البتہ اسکا رویہ لیا دیا سا رہتا تھا۔ وہ مخاطب کرتا تو جواب دے دیتی ورنہ خود سے وہ اسے جہاں دیکھتی وہاں سے غائب ہو جاتی۔ ایسے لگتا تھا جیسے اپنے اور اسکے درمیان اس نے ایک حد حائل کر دی ہو جسے کراس نہ وہ خود کرتی تھی اور نہ ہی براق کو کرنے دینا چاہتی تھی۔

ان دنوں گھر میں امل کے لئے آیا ایک رشتہ زیر غور تھا۔انمول کے واقعہ کے بعد ندرت بہت محتاط ہو گئی تھیں،وہ بہت سوچ سمجھ اور چھان چھٹک کر اس بار کوئی فیصلہ لینا چاہتی تھیں ۔دوسری طرح انکی بہن سعدیہ بھی جیسے انکی پیش رفت کی منتظر تھیں۔براق اور لائبہ کی شادی پہلے ہی انمول کی وجہ سے التوا کا شکار ہو گئی تھی۔

اب سب کچھ معمول پر آ گیا تھا تو لگتا تھا رکے ہوئے سبھی کام بھی جلد تکمیل کو پہنچ جائیں گے۔

اس دن ندرت نے براق سے اس بابت بات کرنی چاہی تھی۔مگر اسکے جواب پر وہ سوچ میں پڑ گئیں۔

"اتنی جلدی کیا ہے خالہ کو ماما۔میں کہیں بھاگا جا رہا ہوں کیا؟"

وہ بے زاری و تفکر کی ملی جلی کیفیت کے زیر اثر جھلا کر بولا تھا۔

"اب بھی تمہیں جلدی لگ رہی ہے براق، بیٹا یہ تو طے تھا تمہاری شادی انگلینڈ سے واپسی پر کرنی ہے، انمول والے معاملے کی وجہ سے سب تاخیر کا شکار ہو گیا ورنہ اب تک تو کب کی ہو چکی ہوتی۔"

وہ جواب میں نرمی سے سمجھا رہی تھیں۔ انمول والے واقعے کے بعد انکی سختی میں بہت حد تک کمی آگئی تھی۔ انکا انداز اب پہلے جیسا تحکم آمیز نہیں رہا تھا، بہت سی جگہوں پر اب وہ بچوں کی سننے اور سمجھنے کی کوشش کرنے لگی تھیں۔

وہ کچھ دیر یوں ہی انہیں دیکھے گیا، خاموشی سے، کسی گہری سوچ کے تحت۔ پھر آہستگی سے انہیں مخاطب کیا۔

"ماما؟"

"ہوں۔"

اس نے کچھ کہنے کے لئے لب کھولے تھے پھر بھینچ ڈالے۔

"کچھ کہنا چاہتے ہو؟"

"آپ سن لیں گی؟"

"تم کہو تو سہی۔"

انکے حوصلہ افزا انداز نے کچھ ہمت بڑھائی تھی۔

"مجھے پتہ ہے یہ کسی حد تک غلط ہے مگر۔" انکی طرف دیکھتے بات کی تمہید باندھی، پھر نظریں چرا لیں۔ انکے سامنے سے اٹھتا وہ انکی طرف پیٹھ کیے کھڑا ہوا۔ ندرت پوری توجہ سے اسے سن رہی تھیں۔

"لیکن لائبہ کو مجھ سے کہیں گنا بہتر بھی کوئی مل جائے گا ماما۔ مگر انمول کے لئے اب کوئی رسک نہیں لے سکتا میں۔"

آنکھیں بند کیے جلدی سے کہہ تو دیا تھا مگر اب دل کی دھڑکن جیسے کانوں میں سنائی دے رہی تھی۔ وہ پہلے بھی اسکے سامنے دست سوال کر چکا تھا، تب ناکامی ہوئی تھی، اب پھر کر رہا تھا اور اس بار اسے زیادہ ڈر لگ رہا تھا۔

ندرت نے کوئی رد عمل نہیں دیا تھا۔ وہ کچھ دیر یوں ہی کھڑا منتظر رہا پھر حیرت بھرے اچنبھے سے انکی طرف پلٹا۔ وہ اسے نہیں دیکھ رہی تھیں، نظریں کسی غیر مرئی نقطے پر گڑھی تھیں اور چہرے کے تاثرات ایسے تھے کہ کچھ بھی اندازہ لگانا مشکل تھا۔

مگر انہوں نے کسی قسم کی ناگواری کا بھی تو اظہار نہیں کیا تھا اس سوچ کے آتے ہی اسکا حوصلہ کچھ اور بڑھا۔ انکے سامنے بیٹھ کر وہ ایک بار پھر سے انکا گھٹنہ تھامے ہوئے تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے وقت پر لگا کر ایک سال پیچھے چلا گیا ہو۔ تب بھی تو اس نے یوں ہی التجا کی تھی۔

"ماما آپ پلیز ایک بار سوچیں اس بارے میں۔ مجھے اندازہ ہے لائبہ کے معاملے میں خود غرضی دکھا رہا ہوں مگر میں کیا کروں؟ میں نے پچھلی بار کوئی ضد نہیں لگائی تھی آپ کے، انمول کے فیصلے کا احترام کرتے قدم پیچھے لے لئے تھے۔ مگر اب کی بار ایسا مت کریں میرے ساتھ۔ میں

اس کے لئے ایک بار پھر آپ کے سامنے ہاتھ پھیلا رہا ہوں۔وہ جس سب سے گزر چکی ہے اب کبھی کسی مرد پر اعتبار نہیں کرے گی اور اس کے معاملے میں یہ اعتبار تو اب میں بھی کسی اور پر نہیں کروں گا۔کیا آپ نہیں چاہتیں اسے کوئی ایسا ملے جو اسکی ویسے ہی قدر کرے جیسی کرنی چاہیے،جو اسے اتنی ہی عزت اور محبت سے رکھے جتنے کی وہ حقدار ہے۔"

ندرت دنگ سی اسے دیکھے گئیں۔تو کیا انکا اندازہ غلط تھا؟وہ اسکا جذباتی پن نہیں تھا،وہ کوئی وقتی جذبہ بھی نہیں تھا۔اگر اتنا سب ہونے کے بعد بھی وہ انمول کا طلب گار تھا تو اسکے جذبوں کی صداقت پر کوئی سوال کیسے اٹھایا جا سکتا تھا۔وہ متذبذب نظروں میں گہری سوچ کی رمق لئے اسے دیکھتی رہ گئیں۔

....

"اب تو خوش ہو نا؟"

وہ دونوں ابھی ابھی سعدیہ کے گھر سے نکلے تھے۔شام کا وقت تھا۔ندرت نے بڑے سنبھاؤ سے بنا براق کا نام لئے یوں بات کی تھی جیسے موجودہ حالات کے تناظر میں یہ انکی اپنی خواہش ہو۔

لیونگ روم میں سعدیہ کے ساتھ ساتھ انکے شوہر بھی موجود تھے۔

"میں معذرت خواہ ہوں سعدیہ۔ساری بات کھول کر تمہارے سامنے رکھ دی ہے۔انمول کے لئے ایک غلط فیصلہ میں لے چکی ہوں اور اس نے اس کی بہت تکلیف بھی اٹھائی ہے۔اب اسکے معاملے میں میں باہر کے کسی انسان پر یقین کرنے کی ہمت نہیں رکھ پارہی۔لائبہ میری اپنی بچی ہے،مجھے بہت پیاری ہے براق کے لئے میں نے ہمیشہ اسی کو سوچا تھا مگر اب حالات ایسے بن گئے ہیں کہ مجھے یہ فیصلہ لینا پڑ رہا ہے۔"

سعدیہ نے سوچ میں ڈوبے شوہر کو دیکھا۔جیسے انکے کچھ کہنے کے انتظار میں ہوں۔

"ندرت آپا آپ ہماری بڑی ہیں۔میں نے آپ کو صرف سعدیہ کی نہیں اپنی بھی بہن سمجھا اور مانا ہے، ہمیشہ بڑی بہنوں والا مان دیا ہے۔جب آپ نے براق کے حوالے سے اس رشتے کی خواہش کا اظہار کیا تب بھی میں نے آپ کی بات کو محترم جانا تھا۔اب بھی آپ جو کہہ رہی ہیں وہ غلط نہیں ہے۔انمول ہماری بھی بچی ہے بالکل ویسے ہی جیسے گھر کے باقی سبھی بچے۔اس کے ساتھ زیادتی بھی بڑی ہوئی ہے۔آپ اگر ایسا سوچ رہی ہیں تو یہ تو بڑے اجر کا کام ہے ہم رکاوٹ کیوں ڈالیں گے۔"

انکی بات پر انکے ساتھ دم سادھے بیٹھے براق نے سکون آمیز سانس لیا تھا۔

سعدیہ نے مسکرا کر بہن کا ہاتھ دبایا۔

"لائبہ کے لئے میں سچ میں بہت شرمندہ ہوں فیصل۔"

وہ ندامت زدہ تھیں۔

"آپ کیوں شرمندہ ہو رہی ہیں خالہ۔ اس میں شرمندگی کی کیا بات ہے۔ بلکہ مجھے تو خوشی ہو رہی ہے انمول آپی کے لئے۔ وہ ڈیزرو کرتی ہیں بہت ساری خوشیاں۔ اور میرا تو ویسے بھی ابھی پوری توجہ سے اسٹڈیز پر فوکس کرنے کا ادارہ تھا۔ یہ ماما کو ہی جلدی مچی ہوئی تھی۔ اب تو میں بھی آرام سے اپنی اسٹڈیز کمپلیٹ کروں گی۔"

چائے کی ٹرالی لے کر آتی لائبہ مسکراتے ہوئے ہلکے پھلکے انداز میں کہہ رہی تھی۔ کچن میں چائے بناتے اس نے سبھی باتیں سنی تھیں۔ ندرت نے اسے پاس بلا کر اسکا ماتھا چوما۔ سعدیہ اور انکے شوہر کچھ پریشان ضرور ہوئے تھے مگر پھر کھلے دل سے انکا فیصلہ تسلیم بھی کر لیا تھا۔

گاڑی مین روڈ پر ڈالتے براق نے مشکور نظروں سے ماں کی طرف دیکھا تھا۔

"تھینک یو ماما۔"

"میں صرف اپنے کیے کا ازالہ کرنا چاہ رہی ہوں بیٹا۔ تم نے اس دن ہوسپٹل میں ٹھیک کہا تھا انمول کے ساتھ جو غلط ہوا وہ سب میری وجہ سے ہوا ہے۔"

وہ غمگیں ہو رہی تھیں۔براق نے خفت سے انکی طرف دیکھا۔

"سوری ماما۔میں اس وقت پریشان تھا بنا سوچے سمجھے بول دیا۔میں اور آپ دونوں جانتے ہیں آپ کی نیت صاف تھی آگے ہم کسی کے اندر جھانک کر تو نہیں دیکھ سکتے کہ کوئی کس قسم کا انسان نکلے گا۔لوگوں کو پرکھنے میں غلطیاں ہم سب سے ہو جاتی ہیں۔"

اسکے کہنے پر وہ سر ہلا گئیں۔

"لیکن اب انمول کو کون راضی کرے گا۔"

موضوع بدلتے وہ ہلکا سا ہنسی تھیں۔تو مسکراہٹ براق کے ہونٹوں پر بھی رینگ گئی۔

"اصل مسئلہ تو اب شروع ہوا ہے۔"وہ ہلکا سا بڑبڑایا۔

"ایک بات یاد رکھنا براق۔میں اسکے ساتھ کوئی زور زبردستی نہیں کروں گی۔تم اسے وقت دو گے جتنا وقت وہ چاہے گی۔اسکی مکمل رضامندی سے ہی اسکی شادی تم سے ہو گی۔یہاں میں تمہاری کوئی مدد نہیں کروں گی۔"

وہ ایک دم سے سنجیدہ ہوئیں، براق بھی مدبر انداز میں سر ہلاتا ساری توجہ ڈرائیونگ پر مرکوز کر گیا تھا۔

. . . .

گھر میں اس خبر پر اک نئی ہلچل سی مچ گئی تھی۔ امل ابھی تک حیرت زدہ تھی کہ یہ سب اچانک سے ہو کیسے گیا، اور برہان وہ اس کے سامنے کھڑا اپنے جذبات کا اظہار کر رہا تھا۔

"واہ واہ! اسے کہتے ہیں نو بال پر شاندار چھکا۔ بگ برو نے کیا اسٹروک کھیلا ہے۔ پوری بارات راضی ہو گئی ہے سوائے دولہنیا کے۔"

اپنی ہی دھن میں کہتا وہ جمپ لگانے والے انداز میں پلٹا تھا جب پیچھے کھڑے براق کو دیکھ کر لمحہ بھر کے لئے گڑبڑایا، پھر ڈھٹائی سے دونوں ابرو اچکا کر اسے آنکھوں سے شریر سے انداز میں اشارہ کیا۔ براق نے جواب میں اسے گھورا تھا۔

"میں دیکھ رہا ہوں تم کچھ زیادہ ہی اچھل رہے ہو آج کل۔"

"میں تو صرف اچھل رہا ہوں بگ برو۔ آپ تو فتح کے جھنڈے گھاڑ رہے ہیں۔" وہ معنی خیز ہوا

۔

"مت اچھلو بیٹا، صرف اس لئے کہ تم نے مینڈک کے رنگ کی شرٹ پہن رکھی ہے مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ تم مینڈک کی طرح پھدکنا بھی شروع کر دو۔"

اسکا شانہ تھپتھپا کر نہایت سنجیدگی سے کہتے وہ آگے بڑھ گیا تھا۔ برہان نے اپنی گاڑھے سبز رنگ کی شرٹ کو بغور گردن جھکا کر دیکھا تھا۔ اسکا رنگ واقع ہی مینڈک کے رنگ جیسا تھا ۔ پیچھے بیٹھی امل کا زوردار قہقہہ پڑا تھا۔ وہ منہ پر ہاتھ رکھے ہنس رہی تھی برہان منہ لٹکا کر اسکے پاس صوفے پر بیٹھ گیا۔

"گھر میں سب سے چھوٹا ہونا بھی اک ظلم ہے۔انسان کی کوئی عزت ہی نہیں ہوتی۔تم دانت نکالنا بند کرو۔اتنے زور زور سے ہنس رہی ہو کوئی آگے پیچھے ہو گیا تو رشتے والے بھاگ جائیں گے۔"

اپنی بھڑاس اس نے ساتھ بیٹھی امل پر نکالی تھی۔

"میری فکر مت کرو مینڈک۔فلحال تو میں تمہاری تازہ تازہ ہوئی عزت افزائی سے لطف اندوز ہونے کا ارادہ رکھتی ہوں۔"

"کوئی نہیں مظلوم کی آہ عرش تک جاتی ہے۔دیکھنا تم آپی کیسے بگ برو سے گن گن کر میرے بدلے لے گی۔آہ!ابھی تو آپی کو اس نئ پیش رفت کا علم نہیں ہے جب ہو گا اور پھر جو بھائی کی میٹھی میٹھی ہو گی ناتب میرے دل میں ٹھنڈ پڑے گی۔"اسکے چہرے پر میسنی سی مسکراہٹ تھی۔امل نے تاسف بھری نظروں سے اسے دیکھا۔

"کس قدر سیاسی ہو تم برہان۔"

اسکے کہنے پر برہان نے بڑی شان سے کالر جھٹکے تھے۔ اسے سیاسی ہونا نہیں ٹیلنٹڈ ہونا کہتے ہیں

۔ویسے آپی ہیں کہاں ؟"

وہ اسکے پاس سے اٹھ گیا تھا۔

"برہان کوئی نئی آگ مت لگا دینا۔"

پیچھے سے امل نے اسے وارن کیا تھا مگر وہ مسرور سی چال کے ساتھ اسکی بات پر کان دھرے

بغیر آگے بڑھ گیا۔

. . . .

شام تک اڑتی اڑتی یہ نئی خبر انمول کے کانوں تک بھی پہنچ گئی تھی اور پہنچانے والا کوئی اور نہیں برہان ہی تھا۔ ندرت اس وقت پڑوس کے گھر گئی ہوئی تھیں۔ امل اپنے کمرے میں سو رہی تھی ،اور براق ابھی ابھی باہر سے لوٹا تھا جب ٹی وی لاؤنج میں اسے سنگین تاثرات کے ساتھ بیٹھا دیکھ کر ٹھٹکا۔

کچھ کچھ بگڑتے حالات کا پتہ اسے اسکی چھٹی حس دے رہی تھی۔بس تصدیق کے لئے وہ وہاں رک گیا تھا۔اسے دیکھ کر وہ اپنی جگہ سے اٹھی تھی۔برہان نے صوفے پر چوکڑی مار کر بیٹھتے کشن اپنی گود میں رکھا تھا۔(بس پاپ کارن کی کمی رہ گئی ہے)

"کیا ہوا؟"

وہ ناسمجھی بھرے انداز میں اسے دیکھ رہا تھا۔

"یہ تم پوچھ رہے ہو؟"اسکی سلگتی نگاہیں ابھی بھی اسی پر ٹکی تھیں۔

"میں نے کیا کیا ہے؟"اس نے بے خبری سے شانے اچکائے۔

"تم کہاں کچھ کرتے ہو براق،بس تیلی لگادیتے ہو آگ تو خود بخود پورے جنگل میں بھڑک اٹھتی ہے۔"

(واہ واہ آپی کیا مثال دی ہے۔جی خوش ہوا۔اس پر ملتے ہیں آپ کو ففٹی بونس پوائنٹس۔)

برہان نے سر دھنا تھا پھر جلد ہی شرافت کے جامے میں آگیا براق کی نظر پڑ جاتی تو لینے کے دینے پڑ جانے تھے۔

براق نے ابرو اچکا کر حیرت بھرے انداز میں اسے دیکھا،

دوبدو ترخ کر جواب دیتی وہ پہلے والی انمول لگ رہی تھی۔ براق کے دل کو جیسے قرار سا آیا ۔ مسکراہٹ ہونٹوں کے کناروں میں کھیلنے لگی۔ جس پر وہ اور تپی۔

"لائبہ سے رشتہ کیوں توڑا تم نے ؟" اس بار اس نے سیدھا پوچھ ڈالا تھا۔ چہرے کی رنگت میں مارے ضبط کے سرخیاں دوڑنے لگی تھیں۔

"یہ میرا پرسنل معاملہ ہے۔" ٹھنڈے ٹھار انداز میں کہتے اس نے بات ہی ختم کر ڈالی تھی ۔ برہان منہ کھولے ہق دق سا اسکا منہ تکنے لگا۔

انمول اسے سخت نظروں سے گھور رہی تھی۔

"اور جو میرا نام لے رہے ہو اسکا کیا براق انصاری۔"

"ہاں یہ تم مجھ سے پوچھ سکتی ہو۔"

اب کی بار وہ مسکرایا تھا۔

"منہ دھو رکھو۔"

"شیور۔ ویسے بھی باہر سے آیا ہوں۔ ساری گرد پڑی ہو گی۔"

وہ اسکی بات کو مذاق میں اڑا گیا تھا۔

انمول کا دماغ اسکی ڈھٹائی پر جھنجھنا اٹھا۔

"ان شر انگیزیوں سے باز آجاؤ تم۔ میں شادی نہیں کروں گی اب۔"

دانت پر دانت جمائے وہ سلگی۔

"شادی تو تمہاری ہو گی انمول بتول۔ تمہیں ساری زندگی ایسے ہی تھوڑی بٹھائے رکھیں گے۔ لوگ باتیں بنائیں گے۔ اب تمہیں لوگوں کی باتوں کی پرواہ نہیں ہے کیا؟"

وہ اسی کے الفاظ اسی کو لٹا رہا تھا۔انمول کا چہرہ بجھ سا گیا۔

"ٹھیک ہے شادی کرنا اگر اتنی ہی میری مجبوری بنی تو میں کسی ریڑھی والے سے شادی کرلوں گی مگر تم سے نہیں کروں گی۔"

وہ چیخ کر بولی، اور عین اسی وقت باہر گلی میں آلو بیچنے والے کی آواز آئی تھی۔برہان سے اپنا قہقہہ روکنا محال ہو گیا تھا۔براق نے تیز چبھتی نظروں سے انمول کو گھورتے برہان کو پکارا تھا

۔

"برہان زرا اٹھ کر چیک کرو اس ریڑھی والے کی شادی ہوئی ہے کہ نہیں؟"

اسکے سنجیدہ انداز پر انمول نے نیم والبوں کے ساتھ حیرت بھرے صدمے سے اسے دیکھا تھا ۔اور برہان کو لگا تھا اسکے بھینچے جبڑوں والے منہ میں اب ہنسی کے بم پھٹنے کو ہیں۔آنکھوں میں آئے پانی کے ساتھ اس سے مزید وہاں بیٹھنا محال ہو گیا تھا۔وہ جلدی سے اٹھ کھڑا ہوا۔

"کہاں جا رہے ہو تم؟"

انمول نے ہوائیاں اڑے چہرے کے ساتھ اسکی طرف شاک سے دیکھا تھا۔ برہان کا قہقہہ پڑا تھا۔ براق بھی دھیما سا مسکرا دیا۔ مگر اگلے ہی پل مسکراہٹ پر دبیز و گہری سنجیدگی کی تہہ چڑھا لی گئی تھی۔

"تمہاری خواہش کے مطابق ریڑھی والے سے پوچھنے۔"

برہان کے بجائے وہ پر سکون سا سینے پر ہاتھ باندھتے بولا تو وہ اسے اور برہان دونوں کو باری باری کھا جانے والی نظروں سے گھورتی پاؤں پٹخ کر احتجاجاً وہاں سے واک آؤٹ کر گئی تھی۔

"کیا بگ برو۔ آپ کی وجہ سے آپی مجھ سے بھی خفا ہو گئی ہیں۔" انمول کو جاتا دیکھ وہ کہتا جوں ہی براق کی جانب مڑا تو اسکی گہری جانچتی نظروں پر گڑبڑا کر رہ گیا۔

"یہ تیلی تم نے لگائی ہے؟"

"میں نے کیا کیا ہے۔" وہ سٹپٹایا تھا۔ براق کے چہرے پر مسکراہٹ نے اپنی چھب دکھائی ۔آگے بڑھ کر برہان کا گال چٹکی میں بھرا، اور کسی بچے کی مانند اسکا گال ہلکا سا کھینچا جس سے اسکا چہرہ دائیں بائیں ہلکا سا ہلا تھا۔

" تھینکس چھوٹے۔ تم نے تو میری مشکل آسان کر دی۔ میں بھی یہی سوچ رہا تھا انمول سے بات کی تو کی کیسے جائے۔"

مسرور سا کہتا وہ اسے وہیں حیرت کا مجسمہ بنا چھوڑ کر سیڑھیوں کی جانب چل دیا۔ برہان کچھ دیر سوچ بچار کرتا رہا پھر مسکرا کر سر جھٹکتا وہیں صوفے پر دوبارہ بیٹھ گیا۔

....

امل کے لئے آنے والا رشتہ کافی سوچ و بچار کے بعد منظور کر لیا گیا تھا۔ لڑکا بیرون ملک جاب کرتا تھا۔ اس لئے وہ لوگ چاہتے تھے منگنی وغیرہ کے چکر میں پڑنے کے بجائے نکاح کر دیا

جائے۔رخصتی امل کے لاسٹ سمسٹر کے بعد کرلیں گے تب تک اسکے باہر جانے کے لئے پیپر ورک بھی مکمل ہو جاتا۔ ندرت کو بھی یہ مناسب لگا۔ آناً فاناً نکاح کی تاریخ طے ہوئی تھی۔

رات کو ندرت اور انمول دونوں مل کر اسکے سسرال والوں کو دیے جانے والے گفٹس پیک کر رہی تھیں۔

جب اچانک ندرت نے مدعا چھیڑا۔

"میں نے لائبہ کے لئے فیصل اور سعدیہ سے معذرت سے کرلی ہے۔"

انہوں نے سادگی بھرے انداز میں سرسری سے لہجے میں کہا تو وہ ناچاہتے ہوئے بھی جھنجھلا اٹھی۔

"امی آپ نے براق کی بات کیوں مانی، وہ تو ہے ہی بیوقوف؟ لائبہ کے لئے وہ ایسے کیسے انکار کر سکتا ہے۔"

"میں نے تمہارے تجربے سے یہی سیکھا ہے بیٹا۔زبردستی کے یا ان چاہے رشتے نبھانا مشکل ہو جاتا ہے۔وقاص کو بھی تو اسکی ماں نے لالچ میں آکر اور لالچ دے کر تم سے شادی پر رضا مند کر لیا تھا مگر اس زبردستی کا بھگتان تم نے بھگتا بیٹا۔براق نے میرے فیصلے پر سر جھکا دیا تھا مگر وہ دل سے خوش نہیں تھا اور میں بار بار ایک ہی غلطی نہیں دوہرانا چاہتی۔لائبہ کو رشتوں کی کون سی کمی ہے۔اللہ پاک اسکے نصیب اچھے کرے ایک سے ایک اچھا رشتہ مل جائے گا اسے۔"

"لیکن مجھے نہیں ملے گا۔پہلے ملنا بھی مشکل تھا امی اب تو طلاق یافتہ کا لیبل بھی لگ گیا ہے اب تو ناممکن ہو گیا ہے اسی لئے آپ نے براق کی بات مان لی ہے۔"

وہ انکی بات کاٹ گئی۔آواز میں کسی قسم کی تلخی نہیں تھی ہاں آنکھوں میں شکوہ ضرور تھا۔

ندرت نے اسے دیکھتے سر نفی میں ہلایا۔

"میں نے جان لیا ہے وہ تمہارے بارے میں سچے جذبات رکھتا ہے۔ میں نے پرکھا ہے اسے تب یہ فیصلہ لیا ہے۔ تم پر کوئی زور زبردستی نہیں ہے انمول۔ اور نہ ہی تم یہ سمجھو کہ ہم میں سے کوئی تم پر ترس کھا کر ایسا سوچ رہا ہے۔ تم میرے لئے اب بھی پہلے والی ہی انمول ہو۔ پہلے اگر میں نے براق کو تمہارے لئے نہ کی تھی تو صرف یہ سوچ کر کہ وہ تمہارے لئے شاید مناسب نہ ہو, تمہیں خوش نہ رکھ سکے، میں اسکی خود پسندی سے ڈرتی تھی۔ اس لئے نہیں کہ تم میں کوئی کمی تھی یا تم اسکے قابل نہیں تھی۔"

" قابل تو اسکے میں اب بھی نہیں ہوں امی، آپ کا تب کا فیصلہ ٹھیک تھا وہ تب بھی بیوقوفی کر رہا تھا وہ اب بھی بیوقوفی ہی کر رہا ہے۔ اور اس بار آپ بھی اسکا ساتھ دے رہی ہیں۔ امی میرے ساتھ جو ہوا وہ ایسے ہی ہونا لکھا تھا۔ مجھے آپ سے یا کسی سے بھی کوئی شکایت نہیں ہے۔ اور اب تو میں ٹھیک ہوں، خوش ہوں، میرا برا وقت گزر گیا ہے اس لئے آپ بھی اس گلٹ سے باہر نکل آئیں، جو ہوا اس میں آپ کی کوئی غلطی نہیں تھی۔ لیکن اب جو آپ براق کی بات مان رہی ہیں یہ غلط ہے، آپ کے مجھ پر بہت احسانات ہیں امی، میں آپ کو کسی بات کے لئے

کبھی منع نہیں کر سکتی۔ لیکن یہ بھی سچ ہے اس بات کے لئے میرا دل نہیں مانتا۔" یہ کہتے ہوئے وہ نظریں چرا گئی تھی۔ ندرت نے مسکرا کر اسکا کندھا تھپتھپایا۔

"یہ سب بعد کی باتیں ہیں۔ ابھی تو امل کا فرض خیر خیریت سے ادا ہو جائے۔"

انہوں نے موضوع بدل دیا تھا۔ انمول دل مسوس کر رہ گئی۔ گویا وہ اسکی بات سے متفق نہیں تھیں۔

اور جو وہ چاہتی تھیں اس سے اسکا اپنا دل متفق نہیں تھا۔ ایسا پہلے بھی ممکن نہیں تھا اور اب تو بالکل بھی نہیں تھا۔ یہ تو براق کے ساتھ زیادتی تھی۔ آخر اس میں کیا کمی تھی جو وہ خود سے حیثیت، ذات، شکل و صورت اور تو اور اب طلاق یافتہ، ہر لحاظ سے اپنے سے بہت پیچھے انمول کا ہاتھ تھامتا؟

اور اگر تھام بھی لے تو کیا گارنٹی تھی وہ کبھی اپنے فیصلے پر پچھتائے گا نہیں؟ یہ بھی تو ممکن تھا کچھ عرصے بعد وہ اسے اپنی غلطی گردانے لگے تب وہ کہاں جائے گی؟ وقاص سے الگ ہونے

کے بعد اسکے لئے یہ در کھلا تھا۔براق سے کوئی ایسی صورت حال بنی تو یہ چھت بھی چھن جانی تھی۔

ایسے کہیں خدشات تھے جن کی آماجگاہ اسکا ذہن بنا ہوا تھا، جو وہ کسی سے کہہ نہیں سکتی تھی۔

. . . .

نکاح کے لئے جمعہ کا دن رکھا گیا تھا۔ صبح صبح گھر میں چہل پہل شروع ہو گئی تھی۔ صرف قریبی چند لوگ مدعو تھے۔اسلئے سارا انتظام باہر لان میں کیا گیا تھا۔ناشتے سے فراغت کے ساتھ ہی امل کو مھندی لگانے والی لڑکی آ گئی تھی۔وہ وہیں ٹی وی لاؤنج میں بیٹھ کر مھندی لگانے لگی تھی۔

"آپی آپ بھی آئیں۔ آپ بھی لگوا لیں۔"

وہ ندرت کے کمرے سے نکلی جب دونوں بازو پھیلائے اپنی مہندی کا تنقیدی جائزہ لیتی امل کی نظر اس پر پڑی تھی۔

"مجھے نہیں لگوانی امل۔ اتنے سارے کام بکھرے پڑے ہیں۔ وہ کون دیکھے گا۔" مسکرا کر رسان سے منع کرنا چاہا۔

"میں دیکھ لوں گی تم لگواؤ شاباش۔"

اسکے پیچھے کمرے سے نکلتیں ندرت نے کہا۔

"لیکن امی آپ کیسے۔"

"سب کچھ ہو تو گیا ہے انمول، اور ویسے بھی مہندی سوکھنے میں وقت ہی کتنا لگتا ہے۔ اتنی سی دیر میں کوئی نظام دنیا نہیں رکنا۔ جاؤ اب۔" اسے جما دیکھ کر انہوں نے زرا سختی دکھائی تھی ۔مزید کچھ کہنے کے بجائے وہ چپ چاپ آکر امل کے قریب بیٹھ گئی تھی۔

قدرے سادہ سا ڈیزائن اس نے اپنے لئے منتخب کیا تھا۔ اور ٹھیک پندرہ منٹ بعد وہ دونوں ہاتھوں کی پشت پر مہندی کے نقش و نگار لئے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

شام میں امل کو تیار کرنے بیوٹیشن گھر آئی تو ندرت نے اسے بھی اسکے آگے بٹھا دیا تھا۔

ڈل گولڈن رنگ کی گھیر دار فراک جس پر سلور نگوں اور گولڈن دھاگے کا کام ہوا تھا۔ لائٹ سا میک اپ اور سر پر نفاست سے سیٹ کیا گیا کھڈی کا گولڈن دوپٹہ جس کی کناری کا مدار تھی ۔گلے میں نازک سی گردن کے ساتھ جھولتی مالا کے ساتھ وہ پیاری لگ رہی تھی۔ معمول سے ہٹ کر سجی ہوئی۔

سفید کرتا شلوار پہنے خوشبوئیں بکھیرتا برہان کچن میں چھری لینے آیا تھا اسے دیکھ کر ٹھٹکنے کی اداکاری کرتا پر سوچ انداز میں انگلی ہونٹوں پر رکھے آگے بڑھا۔

"اے قاتل حسینہ۔ کون ہو تم اور یہاں کیا کر رہی ہو؟ کیا تمہیں نہیں پتہ یہاں اس کچن میں میری آپی کی راج دھانی ہے۔"

اسکے مشکوک انداز میں کہنے پر انمول جو پلیٹ میں مٹھائی نکال رہی تھی، خفیف سا مسکرا دی۔

"بس کر دو ڈرامے۔"

برہان اسکے مسکرانے پر پورے دل سے مسکرایا۔

"پیاری لگ رہی ہیں ایسے ہی ہنستی مسکراتی رہا کریں۔"

بڑی سادگی سے کہا گیا تھا۔ انمول نرمی سے اسے دیکھتی سر ہلا گئی۔

"برہان چھری لانے میں کتنی دیر لگے گی۔" باہر سے براق کی جھنجھلائی ہوئی آواز آئی تو وہ اچھلا۔

"آپی کیا مجھے باتوں میں لگا دیا۔ بھائی سے ڈانٹ پڑوائیں گی سب کے سامنے کیا۔"

سارا الزام اسکے سر دھرتا وہ جلدی سے کیبنٹ کھول کر چھری لیتا باہر کی جانب بڑھا تھا۔

"آج ہی آجاؤ گے۔۔۔" برہان کے جیسے ہی سفید کرتا شلوار پہنے وہ کچن میں داخل ہوا تو وہاں انمول کو دیکھ کر باقی الفاظ کا ربط ٹوٹ کر رہ گیا۔

"میں آرہ تھا لے کر۔" برہان نے چھری سامنے کرتے کہا تو چونک کر اسکی طرف خالی ذہن سے دیکھنے لگا۔

"اوہ ہاں تم چلو باہر دیکھو۔ میں آتا ہوں۔"

"میں ہی دیکھتا ہوں اب جا کر آپ تو اب آرام سے ہی آئیں گے۔" گردن ہلا کر فرمانبرداری سے باہر نکلتے وہ بڑبڑایا تھا۔ جس کا براق نے فی الوقت کوئی خاص نوٹس نہیں لیا تھا۔

انمول اسے ایک نظر دیکھ کر تیزی سے پلیٹ میں مٹھائی منتقل کرتی ڈبہ فریج میں رکھتے پلٹی، تب تک وہ اسکے قریب آ کھڑا ہوا تھا۔

نظریں اسکے مھندی سے سجے ہاتھوں پر جمی تھیں۔

"بہت ظالم ہو تم۔" وہ شکوہ کر رہا تھا۔انمول کے چہرے کے تاثرات پتھر کے ہو گئے،وہ میز پر سے پلیٹ اٹھاتے جانے لگی مگر وہ اس کے سامنے آ کھڑا اسکا راہ روک گیا۔

"ہٹو آگے سے۔"

آواز میں ہٹیلا پن تھا مگر وہ اپنی جگہ سے ہلا نہیں۔

مجبوراًانمول کو چہرہ اٹھا کر اسے سخت نظروں سے دیکھنا پڑا۔

"اور کتنا انتظار کرنا ہو گا مجھے تمہاری ہاں کے لئے؟" اسکی کاجل سے سجی سیاہ گھور آنکھوں میں جھانکتے وہ مکمل طور پر سنجیدہ تھا۔انمول نے بے اختیار پلکیں جھپکی۔

"بیٹھے رہو ساری عمر۔میری ناں کبھی ہاں میں نہیں بدلنے والی۔امی کو بھی میں بتا چکی ہوں ۔اور اگر تم مجھے یوں ہی پریشان کرو گے براق تو میں سچ کہہ رہی ہوں میں یہ گھر ہی چھوڑ کر چلی جاؤں گی۔"

اسکی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے وہ اپنے سنگین عزائم کا پتہ دے رہی تھی۔ براق کے ماتھے پر شکنوں کا جال سا بنا۔

"دھمکی مت دو انمول۔ یہ نہ ہو آج کے آج ہی تمہارے جملا حقوق اپنے نام کر والوں میں۔"

وہ بھی خطرناک حد تک سنجیدہ دکھائی دے رہا تھا۔ ایک پل کے لئے انمول کا دل سوکھے پتے کی مانند لرزا وہ ضد کا بہت برا تھا۔

"منہ دھو رکھو۔" سنبھل کر ناک چڑھاتے کہا۔ یہ الفاظ اسے آج کل کچھ زیادہ ہی سننے کو مل رہے تھے۔ اور اس کا ناک منہ چڑھاتا انداز، سارا غصہ جھاگ کی طرح بیٹھتا گیا۔

"ابھی کچھ دیر پہلے دھویا ہے۔ کافی ہینڈسم لگ رہا ہوں۔ تم جو ہاں کر دو تو یقین جانو تمہارے وارے نیارے ہو جائیں گے۔ لوگ تمہیں ٹھہر ٹھہر کر رشک سے دیکھا کریں گے کہ دیکھو وہ جا رہی ہے انمول جس کا شوہر خوب صورتی میں بے مثال ہے۔"

زیر لب مسکراہٹ دبائے انداز سمجھانے جیسا تھا۔ انمول نے اس کے وجیہہ چہرے کو دیکھتے تاسف سے سر ہلایا۔

"اتنے ہی خوب صورتی میں بے مثال ہو تو میرے پاس کیا ڈھونڈ رہے ہو۔ اپنے جیسی کوئی خوب صورتی میں بے مثال تلاش کرو تا کہ تمہارے حصے میں بھی یہ رشک آئے۔"

تنک کر کہتے وہ سائیڈ سے ہو کر گزر جانا چاہتی تھی مگر وہ ایک قدم دائیں طرف ہوتا پھر سے راہ روکے کھڑا تھا۔ اف۔۔۔ انمول نے ضبط چھلکاتے سرخی مائل چہرے کے ساتھ اسکی طرف نگاہ کی۔

"اب مجھے تم ہی سب سے زیادہ خوب صورت لگتی ہو تو اس میں میری کیا غلطی۔"

کندھے اچکا کر سرسری سا کہا۔ مگر وہ بولتی، جذبے لٹاتی آنکھیں۔ انمول نے نگاہ پھیر لی۔

"براق میرا دماغ خراب مت کرو۔"

وہ تپی تھی۔

"پہلے سے خراب چیز میں اور کیا خراب کروں گا۔"

انمول کی تیوری چڑھی۔

"ویسے میں دیکھ رہا ہوں تم کچھ زیادہ ہی لڑاکا طیارہ بنتی جا رہی ہو۔"

دونوں ہاتھ پشت پر باندھے وہ اس بار مسکرایا تھا۔

"تم ہی تو چاہتے تھے میں خود کے لئے لڑنا سیکھوں تو دیکھو سیکھ گئی میں۔" وہ تلخی سے اسے دیکھتی بولی۔ براق کی مسکراہٹ ہنوز قائم رہی۔

"خود کے لئے لڑنے کا کہا تھا، اپنی طرف آتی خوشیوں سے نہیں۔ اور مجھ سے تو بالکل بھی نہیں ۔ کیوں کہ تم مانو یا نہ مانو انمول۔ تمہاری زندگی میں کھلنے والا خوشیوں کا دروازہ میں ہی ہوں ۔ اور اس بار چاہے پوری دنیا میرے خلاف آ کر کھڑی ہو جائے، بھلے تم لاکھ انکار کر لو، میں پیچھے نہیں ہٹوں گا۔ پھر بھلے مجھے زبردستی گن پوائنٹ پر تمہیں آمادہ کرنا پڑے میں اس سے بھی دریغ نہیں کروں گا۔"

وہ بول تو بہت نرم آواز میں رہا تھا، مگر ارادوں کی سنگینی نے انمول کو ششدر کر دیا تھا۔

ایک آخری نرم سی مسکراہٹ اسکی طرف اچھال کر وہ وہاں سے چل دیا، انمول کی رکی سانس بحال ہوئی تھی۔

وہ کچن سے باہر نکلی تو سعدیہ خالہ اور لائبہ بھی آچکی تھیں۔ انہیں دیکھ کر اسے شدید شرمندگی کا احساس ہوا تھا۔ اس وقت وہ وہاں سے غائب ہو جانا چاہتی تھی۔ سعدیہ کی اس پر نظر پڑی تو ہمیشہ کی طرح بڑی شفقت سے ملیں، لائبہ بھی اسی خلوص سے ملی تو انمول کا دل مزید بجھنے لگا ۔انکی اچھائی کی وہ دل سے معترف ہوئی تھی۔ انکی جگہ کوئی کم ظرف ہوتا تو اس بات پر آسمان سر پر اٹھا لیتا۔

لائبہ نے پنک کلر کی خوب صورت میکسی زیب تن کر رکھی تھی اور اس میں اسکی کھلتی گلاب سی رنگت اور بھی جگمگا رہی تھی۔ بالوں کو کھلا چھوڑے، کامدار دوپٹہ ایک کندھے پر سیٹ کیے وہ بہت پیاری لگ رہی تھی۔ اوپر امل کے کمرے کی طرف جاتے برہان سے ٹکراتے ٹکراتے بچی تھی۔

"اوڈیئر کزن آج تو بڑی لائٹیں مار رہی ہو"

وہ برہان تھا اسکی تعریف کرنے کا بھی اپنا انداز تھا۔

"ہاں بچے اپنی نگاہیں پھیر لو ورنہ آنکھیں چندھیا جائیں گی۔"

آگے آئے بالوں کو اک ادائے شان سے پیچھے جھٹکتی وہ

مسکرائی۔برہان نے دائیں بائیں کسی کو تلاشا۔

"ایک منٹ یہ بچہ کسے کہا ہے تم نے۔"

"آف کورس ڈیئر کزن تمہیں کہا ہے۔اور کوئی نظر آرہا ہے تمہیں یہاں۔"

"بچہ نہیں ہوں میں۔"سرخ پڑتے کانوں کے ساتھ اس نے برا منایا۔منہ پھلا کر کہتے انداز

البتہ بچوں جیسا ہی تھا۔

اس نے محظوظ ہوتے اسکے ماتھے پر بکھرے بال دیکھتے پچکارا "آہ بے بی کو غصہ آرہا ہے۔"
۔پھر اسے سنجیدہ ہوتے گھورا۔

اب ہٹو آگے سے۔بڑے بھی نہیں ہوئے ابھی۔اور بڑے ہو بھی جاؤ تو رہو گے مجھ سے"
اسکے بازو پر ہلکی سی چپت رسید کی،وہ منہ کے زاویے بگاڑ تا سائیڈ پر "ڈیڑھ سال چھوٹے ہی۔
ہوا تو وہ آگے بڑھ گئی تھی۔

. . . .

باہر نکاح شروع ہونے کا بتانے برہان آیا تو امل کی "انمول بیٹا آپ ادھر سے اٹھ جاؤ زرا۔"
سسرالی تائی ساس نے دبے دبے انداز میں اس سے کہا تھا جو امل کے ساتھ بیٹھی تھی۔وہ
چونک کر انکی طرف متوجہ ہوئی۔

وہ خوش دلی سے اٹھنے لگی جب ندرت نے اسے ہاتھ کے اشارے سے روکا۔"جی آنٹی۔"

"انمول امل کی بڑی بہن ہے بشری آپا اس کے ساتھ ہی بیٹھے گی۔"

ندرت کی سنجیدگی پر انمول بیٹھتی چلی گئی۔انہوں نے امل کی ساس سے انہیں سرگوشی کرتے سن لیا تھا۔

"دیکھیں ندرت۔ آپ برا مت مانیے گا مگر بڑے بزرگ کہتے ہیں یہ بدشگونی ہوتی ہے۔اور بڑے بزرگوں کی ایسی باتیں ہم نظر انداز نہیں کرتے۔ نکاح ہو جائے تو انمول بھلے آ کر امل کے پاس بیٹھتی رہے۔"

انہوں نے رسان سے کہنا چاہا۔انمول کا سر جھکتا چلا گیا۔

"ندرت بہن۔بس تھوڑی سی دیر کی تو بات ہے۔ آپ پلیز خفا مت ہوں۔بشری آپا ان باتوں کو بہت سنجیدگی سے لیتی ہیں پلیز۔"امل کی ساس نے انکا ہاتھ دباتے التجائیہ انداز اپنایا۔

"کوئی بات نہیں آنٹی میں اٹھ جاتی ہوں۔"

آنکھ میں خفت کے مارے ابھرتی نمی کو پیچھے دھکیلتے وہ بمشکل مسکرائی تھی۔وہاں ہال میں موجود سبھی خواتین کی مرکز نگاہ بننا اسے بے آرام کرنے لگا تھا۔

"رکو انمول۔" وہ اٹھتے اٹھتے پھر سے بیٹھ گئی۔ ندرت نے سوچتی نظروں سے اسے دیکھا۔ پھر جب وہ بولیں تو انداز فیصلہ کن تھا۔

"یہ سرپرائز تھا مگر لگتا ہے اب پہلے ہی بتانا پڑے گا۔ میں نے انمول اور براق کا رشتہ طے کر دیا ہے۔ بلکہ امل کے بعد ان دونوں کا بھی نکاح ہونا تھا مگر اب بشری آپا کی باتوں سے مجھے احساس ہوا ہے نیک کام میں دیر نہیں کرنی چاہیے۔ اس لئے انمول اور براق کا نکاح امل اور زوار کے نکاح سے پہلے ہو گا۔"

انکے انداز سے بالکل نہیں لگتا تھا یہ فیصلہ انہوں نے ابھی لیا ہے۔ سفید اور گولڈن امتزاج کی دیدہ زیب میکسی میں سجی سنوری امل نے خوشی سے گردن موڑ کر انمول کی طرف دیکھتے اسکے گود میں دھرے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھا تھا۔ وہ جو اس اچانک پڑی افتاد پر حواس باختہ سی، حیرت کی تفسیر بنی ندرت کا منہ تک رہی تھی، یک ٹک، بنا پلکیں جھپکائے۔ ندرت کی نگاہیں بھی اسی پر جمی تھیں۔ چہرے پر مسکراہٹ اور آنکھوں میں التجا۔ ارد گرد سبھی بولنے لگے تھے۔ کچھ مبارکباد دے رہے تھے، کچھ خوشی کا اظہار تو کچھ حیرانگی کا۔

"برہان جاؤ باہر جا کر بتاؤ قاضی صاحب کو۔پہلے براق اور انمول کا نکاح پڑھایا جائے گا۔"

خوشی سے نہال برہان سر ہلاتا مسکراتا ہوا باہر نکل گیا تھا۔

آناًفاناًسب ہو گیا تھا۔انمول کو لگا تھا اسکا دماغ بالکل سن ہو گیا ہو۔کچھ بھی سوچنے سمجھنے سے قاصر۔اتنے لوگوں کی موجودگی میں وہ کچھ کہنے سے بھی لاچار تھی۔بے بسی سے لب کچلتے وہ سر جھکا گئی۔

جس وقت براق نکاح نامہ سائن کر کے اٹھ کر برہان کے گلے ملا تھا۔اس کی آنکھوں میں نمی سی جھلملا رہی تھی۔

"بھائی آپ خوشی کے مارے رو رہے ہیں۔" برہان کو اس وقت بھی اسکی ٹانگ کھنچائی کی یاد رہی تھی۔جواب میں آہستگی سے سب سے نظر بچاتے براق کے ہاتھ نے اسکی پسلیوں کی خبر لے لی تھی۔

"ہائے۔۔میں تو بتا رہا تھا آپ کو۔آپ کی آنکھ میں کچھ چلا گیا ہے شاید۔"

اپنی پسلیاں سہلاتے وہ بھینچی ہوئی سرگوشی نما آواز میں بولا تھا۔ براق سر جھٹکتا مسکرا کر باقی مبارکباد دینے والوں سے ملنے لگا۔

انمول سے پیپرز سائن کروانے برہان اندر گیا تھا۔ سائن کرتے وقت اسے اور کچھ نہیں کچھ دیر پہلے اپنی اور اسکی کچن میں ہونے والی آخری گفتگو یاد آئی تھی۔

"دھمکی مت دو انمول۔ یہ نہ ہو آج کے آج ہی تمہارے جملا حقوق اپنے نام کروالوں میں۔"

اسکے الفاظ وہیں کہیں گونج رہے تھے۔ آنکھوں میں آئی نمی کو بہنے کی اجازت دیتے وہ لب بھینچ گئی تھی۔

ایک تلخ تجربہ، ایک گھٹن زدہ قید سے نکل کر ایک اور رشتے میں خود کو قید ہوتے دیکھنا، دل پوری قوت سے سکڑ کر پھیلا تھا۔ آپ کے تلخ تجربات ساری عمر آپ کا پیچھا کرتے ہیں، قدم

قدم پر یاد آتے ہیں، دل سہماتے ہیں، وہ ہمارا پیچھا کبھی نہیں چھوڑتے۔ اسکا بھی نہیں چھوڑ رہے تھے۔

زوار کے بعد امل سے نکاح نامہ سائن کروانے کا معاملہ آیا تو برہان اٹھا تھا۔

"میں خود جاؤں گا۔"

براق نے اسے روک دیا تھا۔

"ارے بگ برو کیا کرتے ہیں آپ بھی۔ آپکا تازہ تازہ نکاح ہوا ہے آپ سے کام کروانا اچھا نہیں لگتا۔"

وہ اسے جان بوجھ کر چھیڑ رہا تھا۔ اسکا اتاولا پن صاف نظر آ رہا تھا۔

"میں بڑا بھائی ہوں۔ تم بیٹھ جاؤ آرام سے۔" اسے ڈپٹ کر وہ تیزی سے آگے بڑھ گیا تھا۔

ہال میں داخل ہوتے سرشاری اسکے چہرے پر سے چھلک رہی تھی۔اسے اندر آتا دیکھ کر وہاں موجود لڑکیوں نے ہوٹنگ کی تھی۔ندرت نے اسکا ماتھا چوما تو وہ مسکراتا وہ مشکور نظروں سے انہیں دیکھتا انہیں خود سے لگاتے نرمی سے بھینچ گیا۔

انمول اسے دیکھ کر سرعت سے نظریں ہٹا گئی تھی۔امل کے ساتھ بیٹھے ہونے کی وجہ سے وہ اٹھ بھی نہیں سکتی تھی۔دوسری طرف امل کی ساس بیٹھی تھیں۔

براق نے ایک نظر اسکے جھکے سر پر ڈالی پھر نظریں امل پر مرکوز کرتے فارم لے کر آگے بڑھا ،وہ آیا بھی انمول کی طرف سے گھوم کر تھا۔فارم میز پر رکھتے وہ جھکا تو انمول کے کچھ اور قریب ہوا تھا۔ایک لمحے کا کھیل تھا اسکی جھکی نظریں اٹھی تھیں اور براق کی آنکھیں ان گلابی مائل رونے کو بے تاب، گھور سیاہ شکوہ کناں آنکھوں سے ملی تھیں۔اک دلفریب مسکراہٹ نے براق انصاری کے ہونٹوں کا احاطہ کیا تھا۔انمول نے چہرے کا رخ امل کی جانب موڑ لیا تھا ۔وہ بھی اپنے دل کو سنبھالتا امل کی جانب متوجہ ہو گیا تھا۔

. . . .

مہمانوں کے جاتے ہی اپنے کمرے میں آکر کب سے رکے آنسو بے اختیار ہوتے گئے۔کاجل اور مسکارا آنسوؤں میں گھلتا گالوں پر سیاہی کی لیکریں سی کھینچتا چلا گیا۔اسے لگا تھا تقدیر نے اسکے ساتھ کوئی مذاق کیا ہو جیسے۔اگر براق کے ساتھ ہی اسکا نصیب جڑنا تھا تو پھر پہلے اتنی خواری،اتنی ذلت و تکلیف اسکے حصے میں کیوں آئی۔اس نے کبھی کوئی شکوہ نہیں کیا تھا۔کوئی سوال نہیں۔جو ملا جیسا ملا پورے دل سے قبول کیا تھا مگر آج اسکا جی چاہا تھا مگر آج اسکا جی چاہا تھا وہ اللہ کے سامنے شکایتوں کے انبار لگا دے۔اس وقت وہ اتنی ہی بد دل اور قنوطی ہو رہی تھی

دروازے پر ہلکی سی ناک ہوئی تھی۔اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔کچھ سیکنڈز گزرے تھے۔آنے والے نے آہستگی سے دروازہ کھولتے اندر قدم رکھا تھا۔بنا سر اٹھائے،دونوں ہاتھ گود میں رکھے اکڑوں بیٹھے بھی وہ اسکے قدموں کی چاپ پہچان سکتی تھی۔

وہ چلتا ہوا اسکے عین سامنے آکر رکا۔ اسکے بلیک شوز وہ اپنی دھندلائی آنکھوں سے دیکھ سکتی تھی ۔اور پھر وہ وہیں اک گھٹنہ موڑ کر بیٹھتا چلا گیا۔ یہاں تک کہ وہ اب اسکا چہرہ دیکھ سکتی تھی۔

اٹھی گردن کے ساتھ نظریں اس پر جمائے اس کے چہرے پر تاسف صاف دکھائی دیتا تھا۔ بنا کچھ کہے ہاتھ بڑھا کر اسکے بہتے آنسو اس نے اپنے پوروں سے صاف کیے تھے۔ انمول نے کوئی مزاحمت نہیں کی۔ وہ یوں ہی بیٹھی رہی۔ وہ جوں جوں آنسو صاف کرتا اسکے رونے میں اضافہ ہوتا جاتا۔ کتنے پل یوں ہی بیت گئے تھے۔

"اب بس بھی کر دو۔ انگلیاں دکھ گئی ہیں میری آنسو صاف کرتے کرتے۔" اسکے مظلومیت بھرے انداز میں کہنے پر انمول نے اسکا ہاتھ جھٹکا۔ براق ڈھٹائی سے مسکرا دیا۔

"تم نے یہ جان بوجھ کر کیا ہے۔"

وہ بدگمان ہو رہی تھی۔

"میں نے قسم سے کچھ نہیں کیا۔"

"تم کچن میں کھڑے ہو کر مجھے دھمکا رہے تھے۔"

آنسوؤں کی روانی میں خلل سا آیا تو وہ اسے گھور کر کہہ رہی تھی۔

"ہائے۔۔۔مجھے بھی لگتا ہے وہی قبولیت کی گھڑی ہوئی ہو گی۔اللہ بھی کیسے کیسے اپنے بندوں کی سن لیتا ہے۔الحمدللہ۔"

وہ اک پل کے لئے بھی نگاہیں اس کے چہرے پر سے نہیں ہٹا رہا تھا۔برستی آنکھیں، مٹا مٹا سا میک اپ اور پر شکوہ انداز، وہ چند لمحوں میں پہلے سے ہارا دل کہیں بار اس پر وار چکا تھا۔اگر اس وقت وہ اس سے کوئی شوخ سی بات کہتا تو اسکا کیا ردعمل ہوتا؟اپنی اس سوچ پر اسے جی بھر کے ہنسی آئی تھی جسے بڑی مشکل سے اس نے مسکراہٹ میں سمیٹ ڈالا۔

"تم جاؤ یہاں سے۔زہر لگ رہے ہو یہاں بیٹھے ہوئے۔"

اسکے تنک کر کہنے پر وہ ہنستا چلا گیا۔

"اب جو مرضی کہہ لو۔میں سب سن لوں گا۔"

"تمہاری ضد جو پوری ہو گئی ہے۔" اسکا دل کچھ اور بجھا۔ براق نے نفی میں سر ہلایا۔

"اگر تم جان لو نا انمول کہ تم میرے لئے کیا ہو تو اپنے ہونے پر ناز کرو تم۔ آہ! مگر لگتا ہے ابھی عشق کے امتحان اور بھی ہیں۔ اور میں اس کے لیے تیار بھی ہوں۔ تمہیں لگتا ہے نا یہ محض میری ضد تھی تو اب میں تم سے وعدہ کرتا ہوں میں تمہارا انتظار کروں گا تب تک جب تک تمہارا دل آمادہ نہیں ہو جاتا میرے لئے، اس رشتے کے لئے، تب تک میں رخصتی کی ڈیمانڈ نہیں کروں گا۔ پھر چاہے ساری عمر مجھے انتظار میں کاٹنی پڑے اف بھی نہیں کروں گا۔ میرے لئے یہ احساس ہی کافی ہے کہ اب تم صرف میری ہو اور ہمیشہ میری رہو گی، اسی گھر میں رہو گی میرے پاس۔"

آنکھوں میں کچھ پالینے کی چمک لئے اک جذب کے عالم میں وہ بولتا چلا گیا۔ انمول نے اسے بے یقینی بھری خائف نظروں سے دیکھا تھا۔

"اتنی بڑی بڑی باتیں مت کرو براق، وقت بدلتے دیر ہی کتنی لگتی ہے۔ میں خوش فہمی کے کسی جنگل میں اپنا آپ گم نہیں کرنا چاہتی۔"

"بہت ظالم ہو یار۔ یہاں کوئی اپنا دل کھول کر تمہارے آگے رکھ رہا ہے اور تمہیں یہ محض بڑی بڑی باتیں لگ رہی ہیں۔"

وہ مصنوئی مایوسی کا اظہار کر رہا تھا۔ لہجے کی سرشاری تھی کہ اک پل کے لئے بھی مفقود ہونے کو تیار نہیں تھی۔ اسے انمول کا ایسا کہنا برا نہیں لگا تھا جانتا تھا اعتبار آتے آتے ہی آئے گا۔

انمول نے نظر بھر کر اسے دیکھا تھا۔ وہ ہر لحاظ سے مکمل تھا، خوب صورت تو پہلے بھی بہت تھا دلی مراد کے بھر آنے پر چہرے پر اک الگ ہی الوہی سی چمک در آئی تھی۔

"اور اگر کبھی تمہیں احساس ہوا کہ میں خوب صورت نہیں ہوں تو پھر؟"

پتہ نہیں کیسے اس کے منہ سے نکل گیا تھا۔ براق زرا بھر چونکا۔ کچھ پل اسے گہری نظروں سے دیکھتا رہا، وہ بھی اسے ہی دیکھ رہی تھی۔ آنکھوں میں کہیں ان کہے خدشات لئے۔

پھر اس نے آہستگی سے اسکا گود میں دھرا ہاتھ اپنے مضبوط ہاتھ میں لیا۔ مہندی سے سجا وہ سانولا نرم و گداز ہاتھ اسکے صاف رنگ کے ابھری سبز رگوں والے ہاتھ میں تھا۔ اور ساتھ

ہونے نے فرق اور واضح کر دیا تھا۔ انمول کی نظریں وہیں ٹکی تھیں۔ جب اسکے بولنے پر وہ اسکی طرف دیکھنے لگی۔

"تمہیں پتہ ہے مجھے تم کب کب خوب صورت لگتی ہو؟ جب تم خود سے جڑے رشتوں کو خود پر فوقیت دیتی ہو۔ جب تم سب کا خیال رکھتے رکھتے اپنا آپ بھول جاتی ہو۔ تب میرا جی چاہتا ہے میں تمہارا خیال رکھوں۔ خوب صورتی کیا ہے انمول؟ صرف ظاہری رنگ وروپ، اگر ایسا ہے بھی تو میری زندگی تو ان گھور سیاہ، سمندر کی گہرائی کو مات دیتیں آنکھوں میں ڈوبتے ابھرتے گزر جائے گی۔" وہ اسکی نم دراز پلکوں کو انگلیوں کے پوروں سے چھو رہا تھا اور وہ دم سادھے اسے سن رہی تھی۔ کچھ آوازیں ہوتی ہیں جو ہماری روح کے زخموں کے لئے مرہم سی ہوتی ہیں۔ شفا جیسی، کسی دعا جیسی۔

"ہر انسان اپنے آپ میں خوب صورت ہے مگر صرف خوب صورت ہونا ضروری نہیں ہے انمول۔ ہمیں یہ سمجھ لینا چاہئے کہ ہر انسان کو ہم خوب صورت نہیں لگ سکتے، بھلے ہم کتنے ہی خوب صورت کیوں نہ ہوں، نہ ہی ہماری زندگی میں آنے والا ہر فرد ہمیں محبت کر سکتا ہے۔ یہ

ہمارا مسئلہ بھی نہیں ہونا چاہیے۔ کوئی ہمارے بارے میں کیا سوچتا ہے، ہمیں کس طرح دیکھتا ہے یہ اسکا مسئلہ ہے۔ اور دوسروں کے مسائل سے اپنی زندگی بوجھل کرتے جانا سراسر بیوقوفی ہے۔ ایک اچھی اور پرسکون زندگی گزارنے کے لئے ضروری یہ ہے کہ ہم خود کو قبول کریں، جو ہے جیسا ہے کی بنیاد پر، خود سے محبت کریں۔ ہم کیوں چاہتے ہیں کہ کوئی ہم سے محبت کرے، یہ کام تو ہمیں خود کرنا چاہیے۔ کسی کے ستائش کی ضرورت باقی بھی نہیں رہتی جب ہم اپنے پلس پوائنٹس کو جان کر خود کو خود سراہنا شروع کر دیتے ہیں۔ اور تم ایسی ہی تھی ۔ تم خود سے محبت کرتی تھی، اپنی خوبیوں سے واقف تھی، تمہیں کوئی کامپلیکس نہیں تھا تو پھر تم نے خود کو اتنا لیٹ ڈاؤن کیوں ہونے دیا؟ مجھے یہ گلہ ہمیشہ تم سے رہے گا۔"

وہ ایک دوسرے کو ہمیشہ سے جانتے تھے، وہ ایک دوسرے کو مشکل وقت میں سمجھتے بھی تھے اور سمجھاتے بھی تھے۔

انمول نے کچھ کہنے کے لئے لب نیم وا کیے پھر بھینچ لئے۔

وہ کچھ کہتے کہتے رک گئی تھی اور براق نے اصرار بھی نہیں کیا تھا۔ ابھی وہ وقت نہیں آیا تھا مگر اسے یقین تھا وہ لمحہ بھی جلد آنے والا تھا جب اپنے دل کی ہر بات وہ بنا ہچکچائے اس سے کہا کرے گی۔ اسکا ہاتھ چھوڑ تا وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ کچھ دیر اسے دیکھتا رہا پھر پلٹ کر باہر نکل گیا۔

اور انمول کے دل نے اعتراف کیا تھا، اس کے خدشات اپنی جگہ مگر براق کے وہاں ہونے نے، اسکی باتوں نے دل کو عجیب انداز میں تھپکی دی تھی کہ وہ اب پہلے سا خوفزدہ نہیں رہا تھا۔ اک سکوت سا تھا جو دل و دماغ پر طاری ہوتا چلا گیا۔

. . . .

اگلی صبح وہ کچن میں تھی جب وہ وہاں آیا تھا۔ وہ لاکھ بے نیازی برت لیتی مگر اس نئے تعلق کا احساس دل کو اپنے سحر میں لیتا، دھڑکنیں منتشر کر گیا تھا۔

"کیا ہو رہا ہے مسز؟"

چلتاہوا وہ اسکے قریب پہلو میں آکر کھڑا ہوا۔دونوں ہاتھ ٹراؤزر کی جیبوں میں اڑسے بلیک ٹی شرٹ کے ساتھ وہ ابھی بھی رات کے کپڑوں میں ملبوس تھا۔

"نظر نہیں آرہاناشتہ بن رہاہے۔"

اسکا قریب آکر کھڑا ہونا اسے جھنجھلاہٹ کا شکار کررہا تھا۔پراٹھے کی سائیڈ بدلتے وہ اسے دیکھنے سے گریز برت رہی تھی۔ہلکے آسمانی رنگ کے دوپٹے میں صبح کی شگفتگی لئے وہ کھلی سی رنگت کے ساتھ پیاری لگ رہی تھی۔

"نظر تو آرہاہے مگر پھر سوچاشاید نئے رشتے نے دل ودماغ پر کوئی اچھااثر ڈالا ہو،میں تم سے پوچھوں اور آگے سے تم مسکرا کر،تھوڑا ساشرما کر میٹھی سی آواز میں کہتی آپ کے لئے ناشتہ بنارہی ہوں۔ہائے میرے معصوم دل کی چھوٹی چھوٹی حسرتیں۔"

گردن موڑکر اسکی طرف فرصت سے دیکھتے وہ اسکے قوس وقزح کے رنگ لئے چہرے سے محظوظ ہورہا تھا۔

"میرے ہاتھ میں بیلن ہے براق باز آجاؤ تم۔"

شرم وغصے سے سرخ پڑتے وہ بیلن اسکی طرف تانے اسے گھور رہی تھی۔

ہنستے ہوئے اسکے ہاتھ سے بیلن لے کر وہ اسکے کچھ اور قریب ہوا تھا۔یہاں تک کہ اسکی سانسوں کی تپش انمول کی صبیح پیشانی سلگانے لگی تھی۔وہ جزبز ہوتی نظریں چرا گئی تو وہ دلفریبی سے مسکرایا تھا۔

"اوپس کیا میں غلط وقت پر آگیا ہوں؟"شریر سی آواز پر وہ دونوں اپنی جگہ سٹپٹا کر رہ گئے تھے ۔ایک قدم پیچھے لیتے براق نے اپنے اور انمول کے درمیان فاصلہ بڑھایا تھا۔انمول کا ہاتھ گڑبڑاہٹ میں جلتے توے کو چھو جاتا اگر بروقت براق اسکا ہاتھ پکڑ نہ لیتا۔

کچن کی دہلیز پر کھڑا ابرہان معنی خیز نظروں سے دونوں کو دیکھتا دانتوں کی کسی ٹوتھ پیسٹ کے اشتہار کے سے انداز میں نمائش کرتا اندر آیا تھا۔

"تم تمیز سے نہیں آسکتے تھے؟"

براق انمول کے ہاتھ چھڑا کر رخ پھیرنے پر اسکی طرف تنبیہی نظروں سے دیکھتا بولا۔

"میں نے کیا بدتمیزی کی ہے؟ کچن میں روز ایسے ہی تو آتا ہوں میں۔ اب کیا ناک کر کے آیا کروں۔ ہائے پراٹھا جلا دیا آپی۔ لگتا ہے اب جلے پراٹھے کھانے کو ملا کریں گے ہمیں۔" توے سے اٹھتا دھواں اور جلنے کی بو پر انمول نے چمٹے سے تیزی سے پراٹھے کی سائیڈ بدلی تو وہ جل کر سیاہ ہو چکا تھا۔ برہان کی پیش گوئی نے اسکی خفت میں اور بھی اضافہ کیا تھا۔

"ویسے بگ برو۔ آپ یہاں کیا کر رہے ہیں وہ بھی اتنی صبح صبح۔" اب وہ سٹول پر بیٹھتا سی آئی ڈی بنا براق سے تفتیش کر رہا تھا۔ دیکھنے کا انداز شرارت سے پر تھا۔

"بکو مت۔ میں روز اتنے بجے ہی اٹھتا ہوں۔"

وہ کچھ بے آرام ہوتا پہلو بدل گیا۔ انمول اب دوسرا پراٹھا بیل رہی تھی۔ انداز ایسے تھے جیسے ان دونوں کو نہ تو دیکھا ہو اور نہ ہی سنا ہو۔

"خیر رات کو خوشی کے مارے آپ کو نیند ہی کہاں آئی ہو گی۔" وہ بڑبڑایا تھا۔ فریج کی طرف بڑھتے براق نے اسے سختی سے گھورا۔ مگر آج وہ کسی اور ہی موڈ میں تھا۔

"ویسے کسی کو مجھ معصوم کا ذرا خیال نہیں ہے اس گھر میں۔ امل بی بی نکاح یافتہ ہو گئی ہیں، آپ دونوں کے تو خیر سے وارے نیارے ہو گے، بیٹھے بٹھائے ماما نے لاٹری نکال دی آپ کی۔ ایک میں ہی کسی کو نظر نہیں آتا۔ چلو منگنی نہ سہی کوئی چھوٹی موٹی بات پکی کر دو میری بھی کہ میرے جلے دل کو بھی کچھ قرار آئے۔"

دنیا جہاں کی مظلومیت چہرے پر سجائے وہ اپنا دکھڑا رو رہا تھا۔ انمول کے ہونٹوں پر بھی مسکراہٹ نے اپنی جھلک دکھائی تھی۔ براق کی نظر اسی وقت اسکی جانب پڑی تھی۔ وہ جو برہان کو کھری کھری سنانے والا تھا، اپنا ارادہ مفقود کر گیا۔

"یہ رونے جا کر ماما کے سامنے رونا ذرا۔ تمہاری طبیعت صاف کریں گی وہ۔ یونی گئے تمہیں جمعہ جمعہ آٹھ دن نہیں ہوئے اور شوق دیکھو صاحب زادے کے۔" پانی کی بوتل اور گلاس لئے، سر جھٹکتا وہ اسکے ساتھ والے سٹول پر آ کر بیٹھا تھا۔

اس وقت تو انمول اور براق دونوں کو یہی لگا تھا وہ مذاق کر رہا ہے مگر کچھ دن بعد جب ان دونوں کو اپنے کمرے میں بلا کر ندرت نے برہان کے لئے لائبہ کے متع لق ان دونوں کی رائے لینی چاہی تو ان دونوں کو حیرت کا شدید جھٹکا لگا تھا۔

"یہ برہان نے خود کہا آپ سے؟" وہ شاکڈ سا ندرت سے پوچھ رہا تھا۔

"ہاں۔اسی لیے تو تم دونوں سے رائے مانگ رہی ہوں۔" انکے پر اطمینان انداز بتاتے تھے وہ اس کے لئے رضامند بھی ہیں۔ویسے بھی انہوں نے لائبہ کو ہمیشہ اپنی بہو کے روپ میں دیکھا تھا۔کل رات جب برہان نے اسکے لئے اپنی خواہش کا اظہار کیا تو جیسے انکی دلی مراد بھی بھر آئی تھی۔

"ویسے میرے خیال میں اس رشتے میں کوئی قباحت نہیں ہے۔لائبہ برہان سے ایک ڈیڑھ سال بڑی ہے اور یہ کوئی اتنا زیادہ فرق نہیں ہے۔اگر برہان کی خوشی اسی میں ہے تو ماننے میں کوئی حرج نہیں۔تم دونوں کیا کہتے ہو۔"

"یہ تو بہت اچھی بات ہے امی۔لائبہ ہر لحاظ سے پرفیکٹ رہے گی۔"

انمول نے خوشی کا اظہار کرتے کہا تھا۔

"تو بس پھر بسم اللہ کرتے ہیں۔ آج شام کو چلتے ہیں سعدیہ کی طرف۔"

انہوں نے بیٹھے بٹھائے پروگرام بھی مرتب کر ڈالا تھا۔

. . . .

سعدیہ اور فیصل نے سوچنے کے لئے کچھ وقت طلب کیا تھا۔معاملہ کچھ پیچیدہ تھا،براق اور لائبہ کی منگنی ٹوٹنے کے بعد برہان کا رشتہ منظور کرتے وہ کچھ ہچکچاہٹ کا شکار تھے۔

لائبہ کو بھی اس نئ پیش رفت کا پتہ چل چکا تھا اور اسکی حیرت کی انتہا نہ رہی تھی جب امل سے اسے یہ پتہ چلا تھا کہ اس رشتے کی خواہش برہان نے ظاہر کی ہے۔

اس دن وہ امل کو لینے یونی گیا تو لائبہ بھی اسکے ساتھ باہر آئی تھی۔ اکثر واپسی پر وہ ان دونوں کو پک کر لیا کرتا تھا اور پھر لائبہ کو وہ ڈراپ کر دیا کرتے تھے۔ لائبہ کی ابھی تک گاڑی نہیں آئی تو امل اسے بھی اپنے ساتھ کھینچ لائی تھی۔

"یار گاڑی آتی ہی ہو گی۔" اس نے انکار کرنا چاہا۔

"تم کال کر کے منع کر دو۔ ہم تمہیں چھوڑ دیں گے۔"

اس نے حل پیش کیا۔ اسے ٹلتا نہ دیکھ کر مجبوراً کال کرنی پڑی تھی۔

گاڑی میں آکر جوں ہی وہ پچھلی سیٹ پر بیٹھی تھی اچانک امل کو یاد آیا تھا وہ لائبریری میں اپنا جنرل چھوڑ آئی ہے، بنا اسے کوئی موقع دیے الٹے قدموں پلٹ گئی تھی۔

لائبہ اسے نظر انداز کیے کھڑکی سے باہر دیکھتی رہی، کچھ دیر تو وہ بیک مرر سے اسکے سپاٹ چہرے کو دیکھتا رہا، پھر گلہ کھنگار کر اسے متوجہ کیا۔

"کوئی ناراضگی ہے کیا؟"

"نہیں۔" یک لفظی جواب موصول ہوا۔

"تمہیں کوئی اعتراض ہے اس پروپوزل پر لائبہ۔"

لائبہ نے اس بار اسکی طرف دیکھا تھا وہ گردن ترچھی کیے پیچھے مڑ کر دیکھتا پوچھ رہا تھا۔ شوخ و شریر سا برہان اس وقت حد درجہ سنجیدہ دکھائی دیتا تھا۔

"مجھے تو ابھی تک یہ پروپوزل ہضم ہی نہیں ہو رہا۔"

اس نے جس انداز میں کہا تھا برہان کا ہلکا سا قہقہہ گونجا، جس پر وہ اسے خفیف سا گھور کر رہ گئی۔

"کیوں ایسی بھی کیا انہونی ہو گئی ہے۔"

وہ مسکراتی نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"تم مجھ سے چھوٹے ہو۔" اس نے اعتراض اٹھایا۔

"ماما بتاتی ہیں فیصل خالو بھی سعدیہ خالہ سے تین سال چھوٹے تھے، بگ برو بھی آپی سے دو سال چھوٹے ہیں، ہمارا تو پھر ایک سال کا فرق ہے، یہ اتنا بڑا ایشو نہیں ہے۔" اس نے اسکے اعتراض کو ہوا میں اڑا دیا۔

"اس کے علاوہ کوئی سالڈ ریزن ہے تو بتاؤ۔" وہ جواب طلب نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا ۔لائبہ متذبذب سی نظر آتی تھی۔

"تم مجھے شروع سے اچھی لگتی ہو ڈیئر کزن۔ اس انداز میں یا اس انداز میں نہیں بس اچھی لگتی ہو۔ جب تمہاری اور بھائی کی بات طے ہوئی تھی مجھے خوشی ہوئی تھی مگر جب بات ختم ہوئی تب زیادہ خوشی ہوئی تھی۔ اور امل کے نکاح والے دن تمہیں دیکھ کر دل کو کچھ ہوا بھی تھا ۔تب ہی میں نے طے کر لیا تھا شادی کروں گا تو ڈیئر کزن سے ہی کروں گا۔"

وہ بڑے سادہ سے انداز میں بول رہا تھا۔ لائبہ کو اپنی اور اسکی اس دن والی گفتگو یاد آئی تھی۔ نا چاہتے ہوئے بھی وہ مسکرا دی۔

"تبھی میرے بچہ کہنے پر اتنی تپ چڑھی تھی تمہیں۔"

اسکے کہنے پر برہان کے چہرے کی مسکراہٹ رخصت ہوئی۔لائبہ اسکے کڑوے تاثرات دیکھ کر ہنسی تھی۔امل گیٹ سے باہر نکلی تو وہ سیدھا ہو کر بیٹھ گیا تھا۔

"تو کیا میں اسے ہاں سمجھوں؟"

"اس کا جواب تو ماما پاپا ہی دے سکتے ہیں۔" ہلکے دل سے کہتے وہ پھر سے باہر دیکھنے لگی تھی۔ مگر اسکے انداز بتاتے تھے اسے کوئی اعتراض نہیں ہے۔برہان کا دل ہلکا ہوتا چلا گیا۔

"تھینک یو امل۔مذاکرات کامیاب ٹھہرے۔"اسکے گاڑی میں بیٹھتے ہی برہان کے کہا تو لائبہ کو انکی گیم سمجھ میں آئی۔اس نے صدمے سے باری باری دونوں کو گھورا۔

"صرف تھینک یو سے کام نہیں چلے گا۔تم مجھے اور لائبہ کو آج اچھا سا لنچ کروا رہے ہو۔" امل نے اسکی طرف دیکھتے کہا۔

"یہ کس نے کہا ہے۔"

ناک بھنو چڑھائے وہ گاڑی سٹارٹ کرتے کرتے رکا۔

امل اور لائبہ نے بیک وقت کہا تھا وہ منہ بسور کر رہ گیا۔لائبہ امل کی ہم نوا ہو چکی "ہم نے۔"
تھی۔پہلے برہان سے بدلا لے لے امل سے اس دھوکہ دہی پر بعد میں نمٹا جا سکتا تھا۔

اتنا امیر نہیں ہوں میں۔سٹوڈنٹ ہوں ابھی،ماما سے جو پاکٹ منی ملتی ہے وہ بھی تم دونوں "
لوٹ لیتی ہو کبھی لنچ تو کبھی آئس کریم۔"

گاڑی سٹارٹ کرتے ساتھ اسکی زبان بھی ٹھیک چل رہی تھی۔

. . . .

وہ ہوسپٹل سے ابھی ابھی واپس آیا تھا۔ ٹیرس پر سوکھنے کے لئے کپڑے پھیلاتے وہ اسکی گاڑی گھر میں داخل ہوتی دیکھ چکی تھی۔ ٹھیک پانچ منٹ بعد وہ ٹیرس پر موجود تھا۔ انمول نے اسے دیکھ کر ایک ٹھنڈی سانس خارج کی۔ آج پھر وہ ہاتھوں میں تازہ سرخ وسفید گلاب کے مہکتے گجرے اٹھالایا تھا۔ اب تو انمول نے بھی بھی اسے جھڑکنا بند کر دیا تھا۔ اسکا معمول سا بن گیا تھا ہر دو تین دن بعد وہ اسکے لئے گجرے لے کر آیا کرتا تھا۔ شروع شروع میں وہ اسے منع کرتی رہی تھی مگر پھر اسکی مستقل مزاجی دیکھ کر خود ہی خاموش ہوگئی۔ اب جب بھی وہ لاتا تو وہ بنا کچھ کہے بنا لے لیا کرتی تھی۔ بلکہ اب تو لاشعوری طور پر وہ منتظر رہتی تھی، دل کو اک انجانی سی خوشی محسوس ہوتی تھی۔ چاہے جانے کا احساس اپنے اندر کتنی خوب صورتی لئے ہوئے ہے وہ اس سے متعارف ہو رہی تھی۔

"آج پھر اٹھالائے ہو۔"

کپڑوں والی خالی باسکٹ اٹھا کر وہ اسکی طرف بڑھی تھی۔

"آہ! بڑی کوئی ناشکری بیوی ہو تم۔ کوئی اور ہوتی تو شوہر کی اس قدر محبت پر صدقے واری جاتی مگر تم سے ایسی کوئی امید کرنا ہی عبث ہے۔"

وہ ٹھنڈی آہ بھر کر رہ گیا۔ انمول ہلکا سا مسکرا دی۔

"لاؤ دو۔" ہاتھ آگے بڑھایا تھا۔ انداز جان چھڑانے جیسا تھا۔ براق کے چہرے کے زاویے بگڑے۔

"آج نہیں دینے والا میں ہاتھ میں۔ سارے رومینس کا بیڑہ غرق کر کے رکھ دیتی ہو تم۔ یہ کیا بات ہوئی بندہ دو سو روپے بھی خرچ کرے اور پھر اپنے ہاتھ سے پہنا بھی نہ سکے۔"

وہ تپ کر بولا۔ انمول نے بمشکل اپنی ہنسی روکی۔

"تو کون کہتا ہے دو سو روپے خرچ کرنے کو۔ اب تم مجھے یوں گنواؤ گے کہ تم مجھ پر اپنے پیسے خرچ کرتے ہو۔" اسکے دوبدو کہنے پر براق کا جی چاہا اپنا سر پیٹ لے۔

"انمول تم ایک ہی بار بتا دو مجھے میں کس دیوار سے سر ٹکراؤں۔" وہ زچ ہوا۔

"ساری ایک سی ہیں جس سے جی میں آئے ٹکر مار لو۔" آرام سے کہتے وہ اسکے پاس سے گزر جانے کو تھی جب وہ اسکی کلائی پکڑ تا روک گیا۔

"تم ہی سے نہ ٹکرا جاؤں تم بھی تو پتھر ہی ہو۔ میرے جذبوں کی کوئی ضرب اس پتھر میں دراڑ نہیں ڈال پا رہی۔"

وہ مسکرا کر کہہ رہا تھا، مگر آنکھوں میں دکھ کی رمق صاف نظر آتی تھی۔ انمول ان آنکھوں سے اپنی آنکھیں چرا نہ سکی۔ دل کی اک بیٹ مس ہوئی تھی۔ وہ اسے کیسے کہتی اسکے جذبوں کی لپک اسکے دل تک رسائی پا گئی ہے۔ وہ اسکی بے تابیوں کی عادی ہو گئی ہے مگر اپنے منہ سے اقرار کرتے ڈرتی تھی، طلب پوری ہو جائے تو کشش کھونے لگتی ہے۔ اسے خوف آتا تھا کہیں براق کے دل میں موجود اسکے لئے کشش ماند نہ پڑ جائے۔

براق نے آہستگی سے اسکی کلائی میں گجرا پہنایا تھا، پھر دوسرے ہاتھ کو تھام کر دوسرا گجرا اسکی کلائی کی زینت بنایا۔ آہستگی سے اسکے ہاتھوں کو ہونٹوں سے چھوتے چھوڑا تو وہ پلکیں جھپکتی

نظریں چرا گئی۔براق مبہوت سا اسے دیکھے گیا جس کے چہرے کی رنگت سرخی مائل ہونے لگی تھی۔

اسکے پاس سے کہنی کترا کر وہ گزرتی چلی گئی۔

کمرے میں آکر اس نے اپنی کلائیوں میں مہکتے گجروں کو بڑی نرمی سے چھوا تھا،ہونٹوں پر الوہی سی مسکراہٹ لئے۔وہ الماری میں رکھا ایک باکس نکال رہی تھی جس میں براق کے ان گزرے تین ماہ میں دیے سارے سوکھے گجرے اس نے جمع کر رکھے تھے۔

....

اس نے کہا تھا وہ اسکا انتظار کرے گا، اور اس نے ایسا ہی کیا تھا۔ ندرت نے رخصتی کی بات کی تو وہ رسان سے ٹال گیا، بنا اسکا نام لئے۔

"پتہ نہیں کیا چاہتا ہے یہ لڑکا۔ پہلے زمین آسمان ایک کیا ہوا تھا انمول سے شادی کرنی ہے اور اب جب میں رخصتی کا کہہ رہی ہوں تو اسے جلدی لگ رہی ہے۔ پتہ نہیں چاہتا کیا ہے یہ۔"

ندرت کا پارہ ہائی ہو رہا تھا۔ انمول انکے کمرے سے نکلی تو اسے باہر لان کی طرف جاتے دیکھا۔ وہ بھی اسکے پیچھے چلی آئی۔

شام کے سائے بڑھنے لگے تھے۔ موسم خوشگوار ہونے لگا تھا۔ وہ وہاں لان میں لگی کرسیوں میں سے ایک پر بیٹھا تھا۔ اسکے قریب آنے پر سر اٹھا کر دیکھا۔ ہونٹوں پر نرم سی مسکراہٹ آکر ٹھہری۔

"امی خفا ہو رہی ہیں تم سے۔" وہ کچھ فاصلے پر رکھی دوسری کرسی پر بیٹھی تھی۔

"جانتا ہوں مگر تم فکر مت کرو۔ میں سنبھال لوں گا۔" وہ اسے تسلی دے رہا تھا۔ انمول نے خفیف سا پہلو بدلا۔ کچھ دیر خاموشی کی نذر ہو گئی۔

"تمہیں کچھ کہنا ہے؟" پیچھے ٹیک لگائے وہ آرام دہ انداز میں بیٹھا ہوا اسے تک رہا تھا۔

"تم انہیں منع مت کرو۔" نظریں اس پر سے ہٹا کر آہستگی سے کہا تو براق کرنٹ کھا کر سیدھا ہوا تھا۔ کچھ دیر وہ خوشی و حیرت کے ملے جلے تاثرات لئے اسے دیکھتا رہا پھر چینخ کے مشابہہ آواز میں بولا۔

"یہ تم کہہ رہی ہو؟"

انمول نے آہستگی سے سر اثبات میں ہلا دیا۔

"سیریسلی۔" وہ ہنس رہا تھا۔

"تم بار بار ایسے کیوں پوچھ رہے ہو؟" اسے برا لگا تھا۔

وہ فوری سنجیدہ ہوا تھا۔

"دیکھو انمول تم اگر ماما کی ناراضگی کی وجہ سے ایسے کہہ رہی ہو تو نہ کرو۔ میں ماما کو ہینڈل کر لوں گا۔ مگر میں چاہوں گا تم پوری دلی آمادگی کے ساتھ میرے ساتھ کی ہامی بھرو۔ اور مجھے یقین ہے میرے جذبوں کی صداقت جلد تمہارا دل موم کر دے گی مگر تب تک میں انتظار کر سکتا ہوں یار۔"

کچھ آگے کو ہو کر بیٹھتا، وہ اسکی طرف جھکا کہہ رہا تھا۔

"میں تم پر یقین کرنا چاہتی ہوں براق۔ کل مجھے کیا دکھانے والا ہے، اس سوچ سے قطعی نظر، اپنے سارے خدشات کو ایک طرف کر کے میں تمہارے ساتھ چلنا چاہتی ہوں، یہ سفر کہاں تک ہمیں ساتھ لے کر جاتا ہے یہ تو نہیں جانتی مگر اتنا ضرور جانتی ہوں تم مجھے بے امان نہیں کرو گے، بے آبرو نہیں کرو گے، چاہے کچھ بھی ہو جائے مجھ پر ہاتھ نہیں اٹھاؤ گے، میرے لئے کھڑے رہو گے جیسے ہمیشہ کھڑے رہے ہو۔ میری عزت کرو گے، زندگی تو ان سب کے ساتھ

بھی اچھی بسر ہو جائے گی، اور جہاں تک محبت کی بات ہے تو میں دعا کروں گی وہ تمہارے دل سے کبھی نہ مٹے۔"

وہ اسکی آنکھوں میں جھانکتی پر اعتماد سی کہہ رہی تھی۔ وہ ٹکٹکی باندھے کسی خواب کی سی کیفیت میں گرا اسے دیکھ رہا تھا۔

"اور میں نے مان لیا ہے میں ہر ایک کو خوب صورت نہیں لگ سکتی، نہ ہی ہر کوئی مجھے محبت کر سکتا ہے، اور براق انصاری کے جیسا کوئی اور نہیں ہے جو مجھے یوں چاہے گا، جس کے دل کے شہر میں میں پوری عزت و تعظیم کے ساتھ رہتی ہوں، جو میری چاہت کو اپنی چاہت پر ترجیح دے گا۔ چاہنے والوں کا زیادہ امتحان نہیں لینا چاہیے۔ میں بھی مزید نہیں لینا چاہتی۔"

وہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس سے پہلے کہ وہ چلی جاتی براق ہوش میں آیا تھا۔

وہ اٹھ کر اسکے سامنے کھڑا ہوا تھا۔

"اس یقین کے لئے بہت شکریہ۔ میں وعدہ کرتا ہوں میں اسے کبھی نہیں توڑوں گا۔"

آنکھوں میں محبتوں کے کہیں دیپ لئے وہ مسکرایا تھا۔ انمول ہونٹوں پر دھیمی سی مسکراہٹ لئے اندر کی طرف بڑھ گئی۔ ابھی وہ دو قدم ہی چلی تھی جب وہ سرشار سا اسکے ہم قدم ہوا تھا۔

"ساتھ ساتھ چلتے ہیں ماما کو یہ گڈ نیوز دینے۔ تھوڑی سی ڈانٹ پڑے گی تم بیچ بچاؤ کر لینا۔"

سر کے بالوں پر ہاتھ پھیرتا وہ ہنس رہا تھا۔ انمول کی ہنسی بھی اس میں شامل ہوتی گئی۔

....

ختم شد--